جلد 3/ شمارہ 5

تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ

مئی ۲۰۲۳ء

ماہ نامہ

مفاہیم

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

- ٹیکنالوجی نے ہمیں کیسے تبدیل کیا؟
- شوکتِ سنجر و سلیم
- بٹ کوائن کو کون کنٹرول کرتا ہے؟

لیتفقهوا فی الدین

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

من یرد اللہ بہ خیرا یفقهه فی الدین

ماہ نامہ مفاہیم کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب مدظلہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- مولانا سید اسامہ علی
- مولانا ابرار حسین
- مولانا عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضامین

نعت	رسولِ مجتبیٰ کہیے	ماہر القادری	۴
اداریہ	عدنان سے اردگان تک	مدیر	۶
درسِ قرآن	نیک لوگوں کی پیشوائی کی دعا	مولانا محمد اقبال	۱۳
درسِ حدیث	مہلتِ عمل کو غنیمت سمجھیں	ابنِ عباس	۱۸
تنقیدِ مغرب	ٹیکنالوجی نے ہمیں کیسے تبدیل کیا؟(۳)	ڈاکٹر محمد رشید ارشد	۲۱
مقالات	شوکتِ سنجر و سلیم (۶)	مولانا حماد احمد ترک	۲۸
مقالات	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۲۰)	صوفی جمیل الرحمٰن عباسی	۳۷
مقالات	بٹ کوائن کو کون کنٹرول کرتا ہے؟	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۴۲
فقہیات	القواعد الفقهية: القاعدة العاشرة	مفتی نذیر احمد ہاشمی	۴۶
یسئلونک	سالگرہ منانے اور اس موقعے پر تحائف لینے کا حکم	دارالافتاء، فقہ اکیڈمی	۴۸
رحلات	ترک نامہ	مفتی اویس پاشا قرنی	۵۰

ماہر القادری (۱۹۰۶۔۱۹۷۸ء)
معروف اردو شاعر

رسولِ مجتبیٰ کہیے

رسولِ مجتبیٰ کہیے، محمد مصطفیٰ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں، پھر اِس کے بعد کیا کہیے

شریعت کا ہے یہ اِصرار ختم الانبیاء کہیے
محبت کا تقاضا ہے کہ محبوبِ خدا کہیے

جب اُن کا ذکر ہو، دنیا سراپا گوش ہو جائے
جب اُن کا نام آئے مرحبا صلِّ علیٰ کہیے

مرے سرکار کے نقشِ قدم شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستہ کہیے

محمد کی نبوت دائرہ ہے نورِ وحدت کا
اسی کو ابتدا کہیے، اسی کو انتہا کہیے

غبارِ راہِ طیبہ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شفا کہیے

مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو ماہرؔ، چشمۂ آبِ بقا کہیے

*****

مدیر
ماہنامہ مفاہیم، کراچی

عدنان سے اردگان تک

۱۹۰۹ء میں آخری با اختیار عثمانی خلیفہ جناب سلطان عبد الحمید خان ثانی کی معزولی سے ہی ترکوں کی تاریخ نے ایک نیا موڑ لیا تھا، مگر ترقی کی راہ پر گامزن جدید ترکی کی تاریخ میں ''اندھا موڑ'' اس وقت آیا جب مصطفیٰ کمال پاشا (۱۸۸۱۔۱۹۳۸ء) نے عسکری محاذ پر ملک کا دفاع کرنے کے بعد ۱۹۲۴ء میں خلافت کی تنسیخ کر کے جمہوریہ ترکی کی بنیاد رکھی۔ یہ نیا ملک جہاں جغرافیائی اعتبار سے تنگ نائیوں میں گھرا ہوا تھا وہیں یہ نظریاتی طور پر بھی پستیوں میں گرا ہوا تھا۔ امت، اُخوّت اور شریعت سے گریزاں یہ ایک سیکیولر ریاست تھی۔ شرعی قوانین اور ملکی نظم وضبط کی بات تو چھوڑیں، عربی زبان میں اذان دینے تک پر پابندی عائد کر دی گئی اور قرآن وسنت کی تعلیم کو روک دیا گیا۔ ترک قوم کا ایک بڑا حصہ دین سے دور تو ہوا لیکن اصلاحی سرگرمیاں بھی ساتھ ہی جاری رہیں۔ بدیع الزمان سعید نورسی (۱۸۷۳۔ ۱۹۵۹ء) نے تصوف کے نقشبندی سلسلے اور اس کے ذریعے مساجد اور خانقاہوں کو زندہ رکھنے کی سعی جاری رکھی۔ خطوط ورسائل کے ذریعے انھوں نے عوام الناس میں دین کی شمع کو روشن رکھا۔ اگرچہ انھیں اتاترک کی حکومت میں قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں، لیکن وہ اپنے مشن سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اسی طرح شیخ محمود آفندی (۱۹۲۹۔ ۲۰۲۲ء) کی علمی واصلاحی اور صوفیانہ تحریک نے بھی ترکوں کو اسلام سے جوڑے رکھا، بلکہ رجب طیب اردگان سمیت کئی اصحابِ اقتدار آپ کی اصلاحی تحریک سے مستفید ہوئے۔

اتاترک کی ملحدانہ اور لبرل سیاست کے بعد ترک سیاست وحکومت میں مثبت تبدیلی یا اصلاح کی بات

کریں تو اس کی ابتدا کا سہرا جناب عدنان میندرس (۱۸۹۹۔۱۹۶۱ء) کے سر ہے۔ برس ہا برس خلق پارٹی سے وابستہ رہنے کے بعد انھوں نے ۱۹۴۶ء میں ڈیموکریٹک پارٹی قائم کی جو واقعی اور حقیقی جمہوری پارٹی تھی۔ ۱۹۵۰ء میں ڈیموکریٹک پارٹی نے خلق پارٹی کی ۶۹ نشستوں کے مقابلے میں ۴۰۸ نشستیں حاصل کر کے شاندار کامیابی حاصل کی تو جلال بایار صدر اور عدنان میندریس وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں انھوں نے عربی اذان اور اقامت پر عائد پابندی ختم کی۔ مذہبی امور کے محکمے پر اور حج پر عائد پابندی ختم کی تو ۲۵ سال بعد چند سو ترک حج پر گئے۔ عدنان میندرس کے دور میں ایک اہم کام امام خطیب اسکول کا اِحیا تھا۔ یہ سلسلہ اگرچہ کافی پہلے جاری کیا گیا تھا لیکن ناقص نظامِ تعلیم کی وجہ سے وہ عوام میں اپنی قدر و منزلت کھو چکا تھا۔ ان کے دور میں اس اسکول کا احیا ہوا اور اسلامی تعلیمات کو اعلیٰ معیار کے مطابق یہاں پڑھایا جانے لگا۔ عدنان؛ آئین میں سے خلافِ اسلام دفعات کا خاتمہ کرنا چاہ رہے تھے کہ فوج ان کے خلاف میدان میں آگئی۔ حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور آئین شکنی کا کیس بنا کر ایک فوجی عدالت سے آپ کو پھانسی دلوا دی گئی، ان کے وزیر خارجہ کو بھی پھانسی دی گئی۔ ان کی جماعت ڈیموکریٹک پارٹی پر پابندی لگا دی گئی اور اس کے ممتاز ارکان کو نا اہل قرار دیا گیا۔

اگلے چند سال ملک میں حکومت کے نام پر سیکیولر فوجی ناچ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جدید ترکی سیاست کے ایک درخشندہ ستارے جناب ڈاکٹر پروفیسر نجم الدین اربکان عملی سیاست کی طرف متوجہ ہوئے۔ پیشے کے اعتبار سے ایک ماہر مکینیکل انجینیر تھے جو جرمنی میں پی ایچ ڈی کرنے اور اپنے شعبے میں شاندار کار کردگی دکھانے کے بعد وطن لوٹے تھے۔ آپ نے استنبول ٹیکنیکل یونی ورسٹی میں تدریس کے علاوہ موٹر سازی کے شعبے میں اہم خدمات سر انجام دیں۔ آپ ملک میں صنعتوں کے قیام کے لیے بہت محنت کرتے یہاں تک کہ ترکی میں صنعت و تجارت کے اعلیٰ ادارے یونین آف چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے ڈائریکٹر بنائے گئے۔ دینی اعتبار سے آپ کا تعلق نقشبندی سلسلے سے تھا اور اسلامی نظریات و عبادات میں گہرا شغف رکھتے تھے۔ جب سلیمان ڈیمرل (سابق صدر و وزیر اعظم، معروف ترک رہنما) نے ناجائز طور پر انھیں چیمبر آف کامرس سے نکالا تو انھوں نے سیاست میں عملی طور پر حصے لینے کا ارادہ کیا۔

۱۹۶۹ء میں نیشنل سالویشن پارٹی قائم کی اور ۱۹۷۳ء کے الیکشن میں ۴۸ سیٹیں حاصل کر لیں۔ آپ نائب وزیراعظم بھی رہے۔ ترک سیکیولر فوج نے متعدّد بار آپ کی جماعتوں کو کالعدم قرار دیا اور آپ کو کچھ عرصہ قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ ہر پابندی کے بعد وہ ایک نئے نام سے جماعت بنا کر میدان میں آجاتے۔ آپ نے نیشنل سالویشن پارٹی، سلامت پارٹی، سعادت پارٹی، فضیلت پارٹی اور رفاہ پارٹی قائم کیں۔ ۱۹۸۷ء میں آپ نے رفاہ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں آپ کی جماعت نے چالیس سیٹیں حاصل کیں۔ اب اسلام پسند جماعت، ترک سیاست میں ایک اہم عنصر کے طور پر متعارف ہوئی۔ ۱۹۹۵ء کے الیکشن میں رفاہ پارٹی نے ۲۱ فیصد ووٹ حاصل کیے اور اور نجم الدین اربکان ترکی کے وزیراعظم بنے لیکن سیکیولر فوج نے ایک بار پھر مداخلت کی اور ۱۹۹۷ء میں اربکان حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور رفاہ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی۔

اربکان حکومت کے خاتمے کے بعد ۲۰۰۲ء تک سیکیولر جماعتوں کے اتحاد نے بلند ایجوت کی وزارتِ عظمیٰ کے سائے میں حکومت کی۔ اس حکومت کی اقتصادی کارگردگی مایوس کن تھی۔ عالمی بنک کے ایک سابق نائب صدر کمال درویش کو وزیرِ اقتصادیات مقرر کیا گیا تھا جس کی ''بے کمال'' قیادت میں آئی ایم ایف کے قرضوں میں مزید اضافہ ہوا اور ملک معاشی بحران کا شکار رہا۔ لیرا کی قیمت میں کمی، شرحِ سود اور مہنگائی میں اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ مئی ۲۰۰۲ء میں بلند ایجوت کی پارٹی کے کئی اہم وزرا اور ارکانِ اسمبلی نے استعفیٰ دے دیا اور قبل از وقت الیکشن کرانے پڑے۔ چنانچہ نومبر ۲۰۰۲ء کو انتخابات کا انعقاد کیا گیا۔

سیکیولر لوگوں کی مار دھاڑ اور آپا دھاپی کے سالوں میں ترکی کے اصلاح پسند صوفی اور اسلام پسند سیاسی اپنی محنت میں مگن رہے۔ ان میں ایک اہم نام رجب طیب اردگان کا ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۵۴ء میں ہوئی۔ آپ ایک عام متوسط گھرانے کے فرد تھے جنھیں جوانی میں روزگار کے لیے مختلف قسم کی محنتیں کرنا پڑیں۔ رجب طیب، عدنان میندرس کے بنائے اسکول سسٹم امام خطیب اسکول کے پڑھے ہوئے تھے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے دوران آپ کی ملاقات نجم الدین اربکان سے ہوئی اور ان سے متاثر ہوئے اور طویل عرصہ اربکان کے ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۹۴ء میں ہونے والے بلدیاتی الیکشن میں وہ اربکان کی

رفاہ تنظیم کے ٹکٹ پر بلدیاتی الیکشن میں حصہ لے کر استنبول کے میئر بن گئے، اس وقت یہ شہر گوناگوں مسائل کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ اردگان نے دن رات اس شہر کی خدمت کی اور اس شہر کے کئی مسائل کو حل کر کے چند ہی سالوں میں اسے ایک خوبصورت شہر کا روپ دے دیا۔ انھوں نے استنبول میں صفائی اور ہریالی لانے کے لیے عمدہ اقدامات کیے۔ کرپشن، پانی کی قلت اور فضائی آلودگی ختم کرنے میں انھوں نے کامیابی کی۔

۱۹۹۷ء میں مذہبی نظم پڑھنے کے جرم میں انھیں نہ صرف استنبول کی سربراہی سے معزول کر دیا گیا بلکہ انھیں جیل بھی جانا پڑا۔ ۲۰۰۱ء میں انھوں نے رفاہ پارٹی میں اپنے ہم کار جناب عبداللہ گل کے ساتھ مل کر جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی بنائی۔ اسی دوران ۲۰۰۲ء کے الیکشن آ گئے۔ اگرچہ اسلامی نظم پڑھنے کی سزا کی وجہ سے اردگان خود انتخاب نہ لڑ سکے لیکن ان کی جماعت اس الیکشن میں ایک بڑی اور اکثریتی جماعت بن کر سامنے آئی۔ فتح کے بعد جناب عبداللہ گل وزیرِاعظم بنائے گئے۔ انھوں نے وزیرِاعظم بن کر ایسی قانونی ترامیم کیں جن کے نتیجے میں اردگان کی نااہلی کا فیصلہ کالعدم ہوا۔ اس کے بعد کرد اکثریت کے شہر سِرت سے اردگان نے ضمنی الیکشن میں حصہ لیا اور پچاسی فی صد ووٹ لے کر کامیاب ہوئے اور اس طرح ۲۰۰۳ء سے انھوں نے وزیرِاعظم کا عہدہ سنبھالا۔ عبداللہ گل ان کی خاطر وزارتِ عظمیٰ سے دست بردار ہوئے اور انھیں وزیرِ خارجہ کا عہدہ دیا گیا۔ ۲۰۰۷ء کے الیکشن میں انصاف و ترقی پارٹی نے سادہ اکثریت حاصل کی اور بلا شرکتِ غیر حکومت قائم کی۔ سابق وزیرِ خارجہ عبداللہ گل صدر بنائے گئے جب کہ رجب طیب اردگان وزیرِ اعظم بنے۔ اپنے اس دورِ حکومت میں رجب طیب اردگان اور ان کی ٹیم ملک کی تعمیر و ترقی میں لگے رہی اور مختلف اعتبارات سے انھوں نے ملک کی خدمت سرانجام دی۔ ۲۰۱۱ء کے الیکشن میں بھی عدل و ترقی پارٹی کو برتری حاصل ہوئی جس سے رجب طیب ادگان سیاسی طور پر مزید مضبوط ہوئے۔ رجب طیب اردگان نے فوج کے سیاسی کردار کو کم کرنے کے لیے بھی کام کیا چنانچہ آپ ہی کوششوں سے ۲۰۱۳ء میں سیاسی سازشوں میں شریک ۷ افوجی افسران کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ ۲۰۱۴ء میں براہِ راست انتخابات سے آپ ملک کے صدر منتخب ہوئے، یہ ملک کا پہلا صدارتی الیکشن تھا ورنہ اس سے پہلے پارلیمانی نمائندوں کو صدر کے انتخاب کا حق حاصل تھا۔ اردگان نے کئی آئینی اصلاحات کے بعد ملک کا سیاسی نظام پارلیمانی کے بجائے صدارتی کر دیا۔

۲۰۱۶ء میں جب فوج نے اردگان حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تو عوام فوج کے خلاف کھڑے ہو گئے اور بغاوت ناکام رہی۔ ۲۰۱۸ء کے قبل از وقت الیکشن میں ایک بار بھی عدل وترقی پارٹی کو کامیابی حاصل ہوئی اور اردگان براہِ راست صدارتی انتخاب میں کامیاب ہو کر اگلی مدت تک کے لیے صدر بنا دیے گئے۔ اس مدت کا اختتام جون ۲۰۲۳ء میں ہو رہا تھا لیکن اردگان نے ایک ماہ قبل الیکشن کرانے کا اعلان کیا ہے اور اس کے لیے ۱۴ مئی کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔ اردگان کے مطابق ایسا کالج یونیورسٹی کی امتحانی تاریخوں کی وجہ سے کیا گیا۔ بعض لوگ اسے اردگان کی سیاسی چال قرار دے رہے ہیں تاکہ اپوزیشن کو تیاری کے لیے مناسب وقت نہ مل سکے۔ بعض لوگ ۱۴ مئی کی تاریخ کا تعلق ۱۹۵۰ء میں ہونے والے ان الیکشن کے ساتھ جوڑ رہے ہیں کہ جو ۱۴ مئی ہی کو منعقد ہوئے تھے جن کے نتیجے میں جناب عدنان میندرس کامیاب ہو کر وزیرِ اعظم بنے تھے اور شعائرِ دینی پر عائد پابندیاں ہٹا کر سیکیولرازم کی پسپائی اور اسلامیت کی پیش قدمی کی ابتدا کی تھی۔

رجب طیب اردگان کم وبیش پچھلے بیس سال سے ترکی کی قیادت کر رہے ہیں۔ ان کے کارناموں کی فہرست طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی قیادت میں ترکی ۲۳ ارب ڈالر کے غیر ملکی قرضے کے بوجھ سے آزاد ہوا۔ آپ کے دور میں تعلیم اور صحت کے بجٹ میں کئی گنا اضافہ کیا گیا یہاں تک کہ تعلیم اور علاج، عوام کو مفت فراہم کیے جانے لگے۔ ملک میں بہت سارے نئے ہوائی اڈے قائم کیے جن میں استنبول کا ایک بڑا ہوائی اڈہ بھی شامل ہے۔ ملک کے طول وعرض میں ہزاروں کلومیٹر سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ رجب طیب اردگان کے ادوارِ حکومت میں ریلوے کے نظام کو بہتر کیا گیا اور ایک ہزار کلومیٹر سے زیادہ ریلوے ٹریک بچھائے گئے۔ بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ میں خاتمہ بھی آپ کی حکومت کو ایک کارنامہ ہے۔ رجب طیب اردگان کی حکومت نے بھاری صنعتوں میں بھی کافی ترقی کی اور اسی دور میں فی کس آمدنی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اس دور میں مالیاتی اصلاحات کے ذیل میں خاص طور پر سیاحت کے شعبے بہت زیادہ فروغ دیا گیا۔

ملّتِ اسلامیہ کے مسائل پر دوٹوک موقف، اسرائیل پر تنقید اور فلسطین کی حمایت اور بیرونِ ملک خصوصًا مظلوم مسلمانوں کے درمیان رفاہی سرگرمیاں بھی آپ کی مقبولیت میں اضافے کا سبب بنیں۔ اسی طرح بعض عالمی تنازعات میں اردگان کا فعال مصالحانہ کردار انھیں اپنے مقابل امیدوار سے ممتاز کرتا ہے۔

اس کی ایک مثال روس اور یوکرین کے درمیان ترسیلِ گندم کے معاملے میں، اقوامِ متحدہ اور ترکی کی کوششوں سے استنبول میں کامیاب مذاکرات کا انعقاد ہے۔

رجب طیب اردگان نے شام میں اپنی فوجیں بھیج کر دہشت گردی کے خلاف موثر کارروائیاں کی ہیں۔ اس کے علاوہ کرد ملیشیا کے خلاف بھی فوجی کارروائی کی گئی۔ آرمینیا کے خلاف آذربائیجان کی مدد اور اسرائیل کے خلاف فلسطین کی حمایت کی۔ شامی مہاجرین کی آباد کاری کے لیے بھی ترکی نے بہت قربانیاں دیں۔ بحیرۂ روم میں سمندری حدود کے مسئلے پر یونان اور قبرص کے خلاف سخت موقف اپنایا۔ یہی وہ اقدامات ہیں جنھیں ایک طرف تو اسلام پسند طبقہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے تو سیکیولر طبقات کی تنقید بھی اسی پر ہے۔ اسلام پسند اسے خلافتِ اسلامی کی جانب پیش قدمی قرار دیتے ہیں جبکہ اردگان کے مخالف اسے ''استبدادی دور'' کی طرف رجعت قرار دیتے ہیں۔ اردگان کے پہلے دس سالوں کی اقتصادی صورتِ حال کا تقابل اگر اردگان سے پہلے والے ادوار سے کیا جائے تو ایک شان دار معاشی صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ کہاں وہ دور کہ ترکی آئی ایم ایف کا مقروض تھا اور کہاں یہ عالم کے اردگان نے قرض کی ادائی کے بعد یہ بیان جاری کیا کہ ہم قرض دینے کی پوزیشن میں آ گئے ہیں۔ لیکن اگر ہم اردگان کے پہلے سالوں کا تقابل ان کے آخری دور سے کریں تو معاشی صورتِ حال خراب نظر آتی ہے۔ ڈالر کے مقابلے میں لیرا کی قیمت میں کمی، افراطِ زر اور مہنگائی میں اضافہ وہ صورتِ حال ہے جو رجب طیب اردگان کی مقبولیت میں کمی اور ان کے ناقدین کے حوصلوں کے اضافے کا باعث ہے۔ البتہ حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جائے تو اس معاشی صورتِ حال میں کرونا کی وبا اور حالیہ زلزلے کا عمل دخل بھی کافی حد تک ہے۔

اردگان کے مقابلے میں تین صدارتی امیدواروں میں مضبوط ترین کمال قلیچ دار اوغلو ہیں جو جمہوری خلق پارٹی کے صدر اور چھے سیاسی جماعتوں کے حمایت یافتہ ہیں۔ کمال بے ایک عشرے سے قائدِ حزبِ اختلاف کا کردار ادا کر رہے ہیں اور منجھے ہوئے سیاست دان ہیں۔ وہ اردگان کی خارجہ پالیسیوں پر نظرِ ثانی کرنے کا عندیہ دے چکے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنی مثبت پالیسیوں سے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کو اپنی جانب متوجہ کریں گے۔ اس وقت دونوں اپنی اپنی عوامی طاقت کا اظہار کر رہے ہیں اور بڑے بڑے جلسے کر

رہے ہیں۔ استنبول کا حالیہ جلسہ رجب طیب اردگان کی کامیاب انتخابی مہم کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق اس جلسے میں سترہ لاکھ افراد شامل ہوئے ہیں، اس سے اردگان کی مقبولیت میں اضافہ متوقع ہے۔ دنیا بھر کی نظریں ترکی کے انتخابات پر ہیں اور دنیا بھر کے اسلام پسندوں کی دعائیں رجب طیب اردگان کے ساتھ ہیں۔ ہم اردگان کی کامیابی، مستقبل میں بہتر کارکردگی اور کمی کوتاہی کی تلافی واصلاح کے لیے دعاگو ہیں۔

*****

مولانا محمد اقبال
رکنِ شعبہ تحقیق و تصنیف

نیک لوگوں کی پیشوائی کی دعا

سورۃ الفرقان آیت: ۷۴ تا ۷۷

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا، أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا، خٰلِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا، قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ، فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾

"اور جو (دعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ: ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنادے۔ یہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالاخانے عطا ہوں گے، اور وہاں دعاؤں اور سلام سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ وہ وہاں ہمیشہ زندہ رہیں گے، کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لیے وہ بہترین جگہ ہے۔ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: میرے پروردگار کو تمھاری ذرا بھی پروانہ ہوتی، اگر تم اس کو نہ پکارتے، اب جبکہ (اے کافرو) تم نے حق کو جھٹلا دیا ہے تو یہ جھٹلانا تمھارے گلے پڑ کر رہے گا"۔

تفسیر و توضیح

سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مقبول بندوں کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ ہو رہا ہے، یہ در حقیقت وہ اوصاف ہیں جن سے متّصف ہو کر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں یعنی "عباد الرحمٰن" کی صف میں جگہ پا لیتا ہے۔ ان بلند اوصاف میں سے ہم باقی اوصاف کا ماقبل کی آیات کے ضمن میں مطالعہ کر

چکے ہیں، جبکہ حسبِ بالا مذکورہ آیات کے مطالعے کے ضمن میں آخری وصف کا ذکر کیا جائے گا۔

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَب لَنَا مِن أَزوَاجِنَا وَذُرِّيّتِنَا قُرَّةَ أَعيُنٍ وَّاجْعَلنَا لِلمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ ''اور جو (دعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ: ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنا دے''۔ اب تک سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں بیان کیے گئے مومنین مخلصین کے اوصافِ حمیدہ میں سے یہ آخری وصف ہے۔ یہاں بندۂ مومن کا یہ وصف بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لیے اللہ تعالیٰ سے انھیں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کی دعا مانگتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی مانگتا ہے کہ ہمیں متقین کا پیشوا بنا دیں۔ اس دعا میں آنکھوں کی ٹھنڈک سے کیا مراد ہے، اس کے متعلق حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: يَعْنونَ مَن يعمل بطاعة الله فتَقَرُّ به أعينُهم في الدنيا والآخرة. (ابنِ کثیر، ج:٦، ص:١١٩) ''اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پیروی کرتا ہے تو وہ والدین کے لیے دنیا و آخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنتا ہے''۔ اسی طرح امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَنَّهُ لَا شُبْهَةَ أَنَّ الْمُرَادَ أَنْ يَكُونَ قُرَّةَ أَعْيُنٍ لَهُمْ فِي الدِّينِ لَا فِي الْأُمُورِ الدُّنْيَوِيَّةِ مِنَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ. (تفسیرِ کبیر، ج:٢٤، ص:٤٨٦) ''اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ یہاں اس سے مراد ہے کہ اہل و عیال، ان کے لیے دین کے معاملے میں آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، نہ کہ دنیوی امور میں، مثلاً، مال اور جمال میں''۔ ان اقوال سے معلوم ہوا کہ خاندان کے سربراہ کے لیے یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لیے یہ دعا مانگے کہ وہ دین کے معاملے میں اس کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں۔ اسی طرح اس دعا سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کے نیک بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اپنے اعمال کی درستی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ انھیں اپنے اہل و عیال کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی فکر بھی دامن گیر رہتی ہے، وہ اس کے لیے کوشش جاری رکھتے ہیں، اس میں ان کے لیے دعا بھی داخل ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

مذکورہ دعا کے اگلے حصے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے جہاں اپنے اہل و عیال کے نیک انجام کے لیے دعا مانگتے ہیں وہاں وہ ساتھ ساتھ یہ دعا بھی مانگتے ہیں کہ ہمیں نیک لوگوں کا پیشوا بنادیں۔ اس میں واضح طور پر اپنے لیے بڑائی اور جاہ و منصب کی خواہش ظاہر کی گئی ہے جو دیگر نصوص کی رو سے بالکل ممنوع ہے۔ جیسے کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ (سورۃ القصص: ۸۳) ''وہ آخرت والا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں، اور نہ فساد''۔ تو یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ نصوص کی رو سے بڑائی کی خواہش کرنا جائز نہیں ہے جبکہ یہاں زیرِ مطالعہ آیت مبارکہ میں باقاعدہ اس کے لیے دعا مانگی جارہی ہے۔ اس اشکال کے جواب میں مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بڑائی کی خواہش نہیں ہے، بلکہ یہ بڑائی دعا کے پہلے حصے کا نتیجہ ہے، کیونکہ باپ عام طور سے اپنے خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ جب وہ ایک جائز دعا مانگتا ہے کہ میرے بیوی بچوں کو پرہیز گار بنا کر میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجیے، تو وہ پرہیز گاروں کا سربراہ آپ سے آپ بن جاتا ہے، یعنی یہ دعا کے پہلے حصے کا لازمی نتیجہ ہے۔ لہٰذا یہاں اپنی بڑائی کی دعا نہیں بلکہ اولاد و ازواج کے متقی بننے کی دعا ہے، جب وہ متقی ہو جائیں گے تو لامحالہ گھر کا سربراہ متقین کا امام و پیشوا کہلائے گا۔ ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے، جبکہ دوسرا جواب امام رازی رحمہ اللہ نے بعض مفسرین حضرات کا یہ نقطہ نظر بیان کر کے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: قَالَ بَعْضُهُمْ فِي الْآيَةِ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الرِّيَاسَةَ فِي الدِّينِ يَجِبُ أَنْ تُطْلَبَ وَيُرْغَبَ فِيهَا قَالَ الْخَلِيلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: ﴿وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ﴾ (تفسیر کبیر، ج: ۲۴، ص: ۴۸۶) ''بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دین کے معاملے میں پیشوائی طلب کرنا اور اس کی خواہش کرنا ضروری ہے، اس پر یہ آیت دلیل ہے، اس لیے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعا ہے: ''اور آنے والی نسلوں میں میرے لیے وہ زبانیں پیدا فرمادے جو میری سچائی کی گواہی دیں''۔ یعنی بڑائی اور جاہ و منصب کی خواہش دنیوی امور میں ناجائز ہے اور دینی امور میں بالکل جائز اور مستحسن عمل ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عبادالرحمٰن کا انعام

جب ان آیات میں مومنین مخلصین کے اوصاف بیان ہوئے تو ان کی تکمیل پر ان کے بدلے اور انعام کے متعلق فرمایا: ﴿أُولَئِكَ يُجزَونَ الغُرفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّونَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا، خٰلِدِينَ فِيهَا حَسُنَت مُستَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالاخانے عطا ہوں گے، اور وہاں دعاؤں اور سلام سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ وہ وہاں ہمیشہ زندہ رہیں گے، کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لیے وہ بہترین جگہ ہے''۔ اس آیتِ مبارکہ میں مقربینِ خاص جو رحمٰن کے بندوں کے اوصاف سے متّصف ہوں گے، ان کے اجر کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ وہ جنت کے بالاخانوں میں نہایت سلامتی اور بقائے دوام کے ساتھ براجمان ہوں گے، یہ جگہ قیام کے لحاظ سے بہترین جگہ ہے۔ غرفہ کے لغوی معنی بالاخانہ کے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں رحمٰن کے بندوں کے لیے ایسے بالاخانے ہوں گے جو عام اہلِ جنت کو ایسے نظر آئیں گے جیسے زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ (صحیح مسلم) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا» فَقَالَ أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَبَاتَ قَائِمًا وَالنَّاسُ نِيَامٌ». (مستدرکِ حاکم) ''جنت میں ایسے غرفے ہوں گے جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے نظر آتا ہوگا''۔ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ غرفے کن لوگوں کے لیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے کلام کو نرم اور پاک رکھے اور بھوکوں کو کھانا کھلائے اور رات کو اس وقت تہجد کی نماز پڑھے جب لوگ سو رہے ہوں''۔ اس حدیث مبارکہ میں یہاں عبادالرحمٰن کے اوصاف میں سے صرف تین اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے، جبکہ دیگر روایات میں باقی ماندہ وہ تمام اوصاف ذکر کیے گئے ہیں، جو سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں ہم ماقبل میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا ان اوصافِ حمیدہ کے مصداق مقربین بارگاہِ الٰہی کو ان کے اعمال کے بدلے ہمیشہ کے لیے جنت کے بالاخانے عطا ہوں گے اور وہاں ان کا ان کے مرتبے کے شایانِ شان استقبال کیا جائے گا۔

ہر آدمی اپنے کیے کا خود ذمے دار ہے

آخر میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ درست راستے کی نشاندہی کے بعد جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو راہِ حق سے روگردانی کرتا ہے وہ بھی اپنے کیے کا خود ذمے دار ہے۔ البتہ دونوں کا انجام الگ الگ ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿قُل مَا یَعبَؤُا بِکُم رَبِّي لَو لَا دُعَآؤُکُم، فَقَد کَذَّبتُم فَسَوفَ یَکُونُ لِزَامًا﴾ ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: میرے پروردگار کو تمھاری ذرا بھی پروانہ ہوتی، اگر تم اس کو نہ پکارتے، اب جبکہ (اے کافرو) تم نے حق کو جھٹلا دیا ہے تو یہ جھٹلانا تمھارے گلے پڑ کر رہے گا''۔ یعنی تم میں سے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، وہ ضرور اس کا صلہ پائیں گے، خدانخواستہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے رجوع نہ کرتے، اور اس کی عبادت سے روگردانی کرتے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمھاری کوئی پروا نہیں تھی، چونکہ تم نے اپنے لیے صحیح راستہ اختیار کیا اس لیے تمھارا انجام نیک ہے۔ مومنین مخلصین سے خطاب کے بعد آگے کافروں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ حق اور باطل میں امتیاز کرنے کی صلاحیت کے بعد بھی جب تم نے حق کو جھٹلانے کی روش اختیار کر رکھی ہے تو تمھارا یہ طرزِ عمل آخرت کے عذاب کی شکل میں تمھارے گلے پڑے گا اور تمھیں بہر صورت انجامِ بد سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صحیح معنوں میں رحمٰن کے بندوں کے مذکورہ اوصافِ حمیدہ کا مصداق بنائیں اور خدا کے مقبول بندوں کی روش اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

*****

ابنِ عباس
معاون قلم کار

مہلتِ عمل کو غنیمت سمجھیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ: «اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ». (مستدرک حاکم)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت سمجھو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، دولت مندی کو غریبی سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے“۔

تشریح

علامہ مظہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ بڑھاپا آنے سے پہلے جوانی کے ایام میں نیک اعمال کرلو، اسی طرح بیماری سے پہلے حالتِ صحت، غریبی سے پہلے امیری میں، مشغولیت سے پہلے فراغت میں اور موت سے پہلے زندگی میں نیک اعمال کرلو“۔ (المفاتیح فی شرح المصابیح) انسان کی ایک بیماری مہلت طلبی ہے کہ وہ خود کو مہلت دیتا ہے ”عن قریب میں نیکی کروں گا“، یہ عام انسانی خیال ہے۔ بعض روایات میں اسے تسویف کہا گیا کہ ”سَوف سَوف (عن قریب عن قریب) کرنے والے ہلاک ہوجائیں گے“۔ یہ انسان کی خواہشیں ہوتی ہیں جو اسے خود کو ڈھیل دینے پر آمادہ کرتی رہتی

ہیں۔اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾(الحجر:۳)''انھیں چھوڑ دیں وہ کھاتے پیتے رہیں اور تمتع کرتے رہیں، عن قریب وہ جان لیں گے''۔انسان اپنی خواہشات کے پیچھے لگا رہتا ہے اور نیکی کے کاموں کو سوف سوف کہہ کر موخر کرتا رہتا ہے۔جوانی کے وہ ایام جن میں قوتِ کار اور طاقتِ عبادت زیادہ ہوتی ہے بے کار کاموں میں ضائع کر دیتا ہے۔جب جوانی کا جوش ختم ہوتا ہے اور بڑھاپے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو انسان میں عبادت کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے لیکن اب اس میں محنت کی سکت باقی نہیں رہتی۔اسی طرح حالتِ صحت میں انسان دنیا کی دل چسپی میں لگا رہتا ہے لیکن جب اس پر کوئی بیماری حملہ آور ہوتی ہے تو اس کا دل نرم ہو کر عبادت کی طرف راغب ہوتا ہے لیکن وہ بیماری کے سبب کر کچھ نہیں سکتا۔یہی مثال زندگی موت اور امیری غریبی کے بارے میں ہے کہ جب یہ ناگہانیاں آجاتی ہیں اور انسان سے مہلتِ عمل چھن جاتی ہے تو حسرت وافسوس کے سوا اِسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔قرآنِ کریم میں یہ نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:﴿حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ﴾(المؤمنون:۹۹،۱۰۰)''اور یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے لوٹا دے تاکہ میں اس دنیا میں نیک عمل کر سکوں جسے میں چھوڑ آیا''۔ایک اور جگہ فرمایا گیا:﴿وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَنْ يَّاتِيَكُمُ العَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لاَ تَشْعُرُونَ أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَاحَسْرَتَى عَلَى مَا فَرَّطْتُّ فِي جَنبِ اللهِ﴾(الزمر:۵۵،۵۶)''اور پیروی کرو اس عمدہ کلام کی جو نازل کیا گیا ہے اللہ کی طرف سے اس سے پہلے کہ اچانک اللہ کا عذاب آجائے اور تمھیں پتا بھی نہ چلے، تب کوئی شخص کہے کہ ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب میں کی''۔اس حسرت ویاس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مہلتِ عمل کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے کوشاں رہیں۔حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک فرمان اس سلسلے میں ہماری راہنمائی کرتا ہے:إِذَا أَمْسَيْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ

وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ المَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ.(صحیح بخاری)"جب تمھاری شام ہو تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو بلکہ اپنی صحت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے مرض کے لیے توشہ جمع کرو اور اپنی زندگی کو مہلت سمجھتے ہوئے اپنی موت کے لیے زادِ راہ مہیا کرتے رہو"۔ ایامِ صحت میں ایامِ مرض کے لیے توشہ جمع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ ایامِ صحت میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کر لو، اس بات کو ان احادیث سے بھی جوڑا جا سکتا ہے جن کے مطابق ایامِ صحت میں کیے جانے والے نیک اعمال کا اجر و ثواب ایامِ مرض میں بھی ملتا رہے گا۔ زندگی میں موت کے لیے سرمایہ مہیا کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ زندہ رہتے ہوئے موت کے بعد والی زندگی کی کامیابی کے لیے نیک اعمال کر لو۔ اور اس بات کو اس سے بھی جوڑا جا سکتا ہے کہ زندگی کی مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تم ایسے نیک اعمال کر لو جن کا اجر و ثواب موت کے بعد بھی صدقۂ جاریہ بن کر تمھیں ملتا رہے۔

مہلتِ عمل سے فائدہ اٹھانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان وقت ضائع نہ کرے اور آج کا کام آج ہی آج انجام دینے کی کوشش کرے کہ نیکی پانے کا یہی راستہ ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: إِنَّ الْقُوَّةَ فِي الْعَمَلِ أَنْ لَا تُؤَخِّرُوا عَمَلَ الْيَوْمِ لِغَدٍ.(مصنّف ابنِ ابی شیبہ)"عمل کی قدرت و طاقت یہی ہے کہ آج کے کام کو کل پر موخر نہ کرو"۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

* * * * *

گفتگو: ڈاکٹر رشید ارشد
ٹرانسکرپشن: عبداللہ جان

ٹیکنالوجی نے ہمیں کیسے تبدیل کیا؟

قسط نمبر ۳

ماڈرن ٹیکنالوجی کیا ہے؟

اب ہم ماڈرن ٹیکنالوجی کے بارے میں چند باتیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ماڈرن ٹیکنالوجی کے بارے میں کسی نے یہ بات کہی:

(1) Technology is ontology of our age.

(2)Technology is ecology.

(3)Technology is ideology.

اب اگلی بات یہ ہے کہ یہ عرض کیا گیا تھا کہ انسان کے تقریبًا تین بڑے سوالات فلسفے میں سمجھے جاتے ہیں: وجود کیا ہے؟ شعور یا علم کیا ہے؟ اور قدر کسے کہتے ہیں؟ فلسفے کی اصطلاح میں Ontology علم الوجود، Epistemology علم العلم اور Axiology کو علم الاقدار کہتے ہیں۔ پھر علم الاقدار کی دو شاخیں ہیں: Ethics یعنی اخلاقیات اور Aesthetics یعنی جمالیات۔ ہر دور میں یہ سوال بہت زیادہ اہم تھا کہ سب سے بڑا وجود کیا ہے، آپ دیکھیں یونان میں جو ابتدائی طور فلسفی آئے انھوں نے Cosmology یعنی کائنات کو موضوع بنایا۔ بعد کے فلسفیوں میں علم الانسان یا علم نفسیات پر توجہ مرکوز رہی، پھر قرونِ وسطیٰ کا دور آیا، جو کرسچن عہد تھا، وہاں کی Ontology علمِ الٰہیات قرار پائی، ہر چیز پر theology کا غلبہ ہو گیا اور

لوگوں نے یہاں تک کہنا شروع کردیا کہ Philosophy became the handmaiden of theology یعنی اصل فلسفہ تو ختم ہی ہوگیا، بلکہ فلسفہ الٰہیات کی لونڈی بن کر رہ گیا۔ پھر جدیدیت نے آ کر دوبارہ انسان کو توجہ کا مرکز بنادیا، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد انسان پسِ منظر میں چلا گیا اور کائنات نے اہمیت حاصل کرلی۔ اسی لیے Walker Percy نے کتاب لکھی تھی، اس کتاب کا نام تھا: Lost in the Cosmos. جب انسان کو De Divinize کردیا گیا اور اس کے اندر کسی روح کا انکار کردیا گیا تو پھر کیا رہ گیا؟ انسان محض ایک مادہ اور حیوان قرار پایا، تو اگر انسان ایک مادہ اور حیوان ہے اور اسی پر تحقیق ہونی ہے تو پھر تو کائنات انسان سے بہت بڑی ہے۔ اس لیے مغرب کے بہت سے بڑے بڑے فلسفی یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ جو آپ انسان کی عظمت اور شرف کی باتیں کر رہے ہیں، ایک طرف آپ Darwinian evolution کو مانتے ہیں اور دوسری طرف آپ Human dignity کی بات کرتے ہیں، یہ مضحکہ خیز ہے۔ John Gray ایک بہت بڑا برٹش فلسفی ہے اس کی کئی کتابیں ہیں، Straw Dogs کے نام سے ایک کتاب ہے، اس میں اس نے یہی لکھا ہے کہ یہ سارا تصور ایک فریب ہے، اور یہ اصل میں روشن خیالی اور جدیدیت نے بنیادی طور پر عیسائیت سے چوری کیا ہے۔ ایک کتاب ہے اس کا نام بھی ہے Stealing from God یعنی بہت سے جدید فلسفیانہ افکار یا Enlightenment values اصل میں مذہب سے چوری کی گئیں اور ان کے اوپر انھوں نے سیکیولر لیبل لگادیے۔ تو شرفِ انسانیت کا سبب تو انجیل کی نص سے ثابت تھا کہ God created Adam in his own image خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، اس کے اندر روح میں سے پھونکا، فرشتوں کو اس کے آگے جھکایا، اگر آپ اس نکتے کو تسلیم نہیں کرتے اور آپ کہتے ہیں کہ انسان حیوان ہی کی ایک ارتقا شدہ شکل ہے پھر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے شرف کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ اور انسانی شرف کے بارے میں فرائڈ نے کہا تھا کہ شرفِ انسانیت کو دو بڑے دھچکے لگے: پہلے Copernicus نے کہا کہ زمین مرکزِ کائنات نہیں ہے، زمین تو خود حرکت میں ہے اور سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ پہلے ایک Geocentric تناظر تھا اور زمین کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، پھر تناظر Heliocentric ہوگیا اور سورج مرکزِ کائنات قرار پایا، تو انسان کی عظمت کو کچھ تھوڑا سا دھچکا لگا۔ لیکن اتنا

بہر حال رہا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور ایک الگ ممتاز مخلوق ہے۔ دوسرا دھچکا انسان کی عظمت کو ڈارون نے لگایا۔ اس نے آکر بتایا کہ انسان کوئی الگ سے مخلوق نہیں ہے، اس کا کوئی روحانی پہلو نہیں ہے۔ انسان بس ایک جانور ہی ہے البتہ زیادہ ترقی یافتہ ہے، اس کا دماغ زیادہ پختہ ہے اس لیے وہ زیادہ غور وفکر کے معاملات کر سکتا ہے۔ لیکن فرائڈ جو یہ سب کہتا ہے، اس نے تیسرے دھچکے کا ذکر نہیں کیا۔ اسی نے آکر انسانیت کو تیسرا دھچکا لگایا۔ اب تک تو یہ بات تھی کہ انسان حیوان تو ہے لیکن یہ حیوان ایک شعور رکھتا ہے اور جانور تو بس جبلتوں کی بنیاد پر زندگی گزارتے ہیں۔ انسان کے اندر consciousness ہے، شعور ہے اور اس شعور کے مطابق انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ فرائڈ نے بتایا کہ انسان کا conscious mind اس کی زندگی کو govern نہیں کرتا بلکہ اس کا Sub Conscious یا Un Conscious mind اسے dictate کرتا ہے اور انسان تو بنیادی طور پر حیوان ہے اور وہ حیوان بھی بیمار ہے۔ وہ بنیادی طور پر ایک جنسی حیوان ہے اور جب اس کی جنسی جذبے پر قدغنیں لگائی جاتی ہیں تو پھر وہ کبھی مذہب کی طرف کبھی روحانیت کی طرف کبھی اخلاق کی طرف کبھی جمالیات کی طرف جاتا ہے۔ تو انسان تو بس ایک جنسی جانور ہے۔ چوتھا دھچکا تب لگا جب Alan Turing نے ایک مشین لرننگ کا تصور دیا اور کہا کہ اب ہم بنیادی طور پر انسان کو مشین کے ماڈل پر ڈھالیں گے۔ اسی لیے اب جو ماڈل پیش کیا جارہا ہے وہ Cyborg کا ہے جس کا مطلب ہے half human and half machine. یعنی اب انسان کے لیے زیادہ تر analogies جو استعمال کی جارہی ہیں وہ حیوان کی نہیں بلکہ مشین کی ہیں۔ غور کیجیے کہ تصورِ انسان کہاں سے کہاں تک آگیا، تو یہ ہے وہ بات کہ Technology is ontology of our age۔

دوسری بات جو میں نے عرض کی کہ Technology Is Ecology تو ٹیکنالوجی محض ایک ایجاد نہیں ہے بلکہ جو نئی ٹیکنالوجی آتی ہے اس کے ذریعے انسان اور اس سے سارا ماحول بدل جاتا ہے۔ انسان کے چار طرح کے تعلقات ہیں: انسان کا اپنے خدا سے تعلق، انسان کا اپنے نفس سے تعلق، انسان کا انسانوں سے تعلق، اور انسان کا کائنات سے تعلق۔ ماڈرن ٹیکنالوجی کی ہر ایجاد نے انسان کے ان سارے تعلقات کو بدل دیا۔ Marshall McLuhan نے کہا تھا کہ پرنٹنگ پریس نے غیر معمولی تبدیلی پیدا کی۔ پھر مشین کی

ایجاد نے انسانوں کو بہت تبدیل کیا ہے۔ روشن خیالی اور جدیدیت میں ہسٹری آف آئیڈیاز ہی کو موضوع بنایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بنیادی طور پر مغرب میں کچھ نظریات پیش کیے گئے اور پھر وہ پوری دنیا میں پھیل گئے مثلاً Freedom، Equality، Progress، Tolerance وغیرہ۔ Richard M Weaver کی کتاب کا نام ہی Ideas have consequences۔ جب یہ کہا جاتا ہے technology is ecology تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ٹیکنالوجی بالکل ایک نیا ماحول پیدا کر دیتی ہے۔ ہر چیز بدل جاتی ہے حتیٰ کہ انسان اندر اور باہر سے یکسر بدل جاتا ہے۔

تیسرا جملہ میں نے کہا تھا کہ Technology is ideology تو واضح بات ہے کہ ٹیکنالوجی ویلیو نیوٹرل نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں عام طور پر خیال یہ ہے کہ ٹیکنالوجی محض ایک آلہ ہے اور اس آلے جو لوگ استعمال کرتے ہیں، وہ جس مقصد کے لیے استعمال کریں گے ویسا ہی انھیں نتیجہ مل جائے گا۔ مثال دی جاتی ہے تلوار کی کہ تلوار ایک مجاہد کے ہاتھ میں ہو تو وہ قتال فی سبیل اللّٰہ کے لیے، ظلم کے خاتمے کے لیے، عدل کے قیام کے لیے ہوتی ہے اور وہی تلوار اگر ایک بلوائی کے ہاتھ میں ہو تو اس سے فساد برپا ہوتا ہے۔ بہت سادگی سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ماڈرن ٹیکنالوجی بھی Value Neutral ہوتی ہے۔ وہ ایک خالی vessel کی طرح ہے، آپ اس میں جو بھی چیز ڈال دیں وہ شکل اختیار کر لیتی ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے عرض کیا اس ٹیکنالوجی کے اثر سے انسان کا حقیقت کے بارے میں تصور بدل گیا، انسان کا اپنے بارے میں تصور بدل گیا، انسان ایک مادی وجود ہے انسان لذت کے حصول کی کوشش میں لگا رہنے والا حیوان ہے۔ اور انسان کا کائنات کے بارے میں بھی تصور بدل گیا ہے۔ اس سے پہلے کائنات کیا تھی؟ سب سے بڑھ کر کائنات کا مصرف یہ تھا کہ کائنات اللّٰہ کی نشانیوں کا مجموعہ ہے اور نمبر دو یہ کائنات نفس کے حقوق کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس کائنات کے ساتھ ہمارے دو طرح کے تعلقات مطلوب تھے: ایک تو یہ ہے کہ یہ کائنات اللّٰہ کی مذکّر بنے، اللّٰہ کی یاددہانی کرائے، اللّٰہ کی آیات کا مجموعہ بنے۔ اور دوسرا یہ کہ یہ کائنات اللّٰہ کی نعمتوں کا محل بنے کہ یہ نعمتیں ہم حاصل کریں اور ہمارے اندر شکر گزاری پیدا ہو۔ اس لیے میں نے عرض کیا تھا کہ روایتی آدمی ٹیکنالوجی میں کیوں آگے نہیں بڑھا؟ اس نے دنیا کی لذتوں کو بڑھانے کا پروجیکٹ کیوں

اختیار نہیں کیا؟ سبب یہ ہے کہ وہ ایک مختلف انسان تھا، اس انسان سے جو سترھویں اور اٹھارویں صدی میں پیدا ہوا۔ اسی لیے ہمارے ہاں لوگ ہیومن رائٹس کی باتیں کرتے ہیں اور پھر ہم اس کو تلاش بھی کرنے لگتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ نے ۱۹۴۰ء میں جاکر انسانی حقوق کا چارٹر پیش کیا جبکہ انسانی حقوق کا سب سے بڑا چارٹر تو خطبہ حجۃ الوداع میں ہے وغیرہ وغیرہ۔ Michel Foucault کہتا ہے کہ humanity is a recent invention۔ یہ جو modern human ہے یہ اٹھارویں صدی میں پیدا ہوا ہے، اس سے پہلے کا انسان وہ انسان نہیں تھا جو اب پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا کائنات سے تعلق ہی بدل گیا۔ Francis Bacon نے یہ dictum دیا کہ Knowledge Is Power۔ پاور کوئی اخلاقی یا روحانی چیز نہیں ہے۔ اور Michel Foucault نے آکر اس پورے سرکل کو مکمل کر دیا: knowledge is sheer violence کہ پاور بھی کیا ہے، پاور کا مطلب ہے لوگوں کو نقصان پہنچانے کی صلاحیت، لوگوں کو لوٹنے کھسوٹنے کی صلاحیت، لوگوں کا استحصال کرنے کی صلاحیت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جدید آدمی کا نیچر کے ساتھ تعلق بالکل مختلف ہے۔ وہ اس کائنات کی ہر چیز کو اس زاویے سے دیکھتا ہے کہ یہ ایک ذریعہ ہے جو میرا منتظر ہے کہ میں کیسے اسے دریافت کروں اور کیسے ذاتی مفاد میں صرف کر دوں اور اپنے مصرف میں لے کر آؤں؟ روایتی آدمی نے کبھی نیچر کو اس طرح نہیں دیکھا۔ اسی لیے یہ بھی کہا گیا کہ جدید ٹیکنالوجی کا تعلق سائنس سے زیادہ میجک کے ساتھ ہے۔ جادو میں اشیا میں تحول ہو جاتا ہے، حقیقت کو اپنے موافق ڈھال لیا جاتا ہے اور یہی آج ہو رہا ہے۔

مغرب کی نمائندہ اقدار اور ٹیکنالوجی

اب ہم مختصراً یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ مغرب میں جن چیزوں کو اقدار سمجھا جاتا تھا، ان کو ٹیکنالوجی نے کیسے متاثر کیا۔ اہلِ مغرب کی سب سے بڑی قدر freedom یا آزادی تھی اور آزادی تمام اقدار سے بڑھ کر تھی۔ لیکن اب ان کے بڑے لوگوں کو یہ لگ رہا ہے کہ ماڈرن ٹیکنالوجی نے ہماری آزادی سلب کر لی۔ اس میں ایک پہلو تو Surveillance کا ہے، اتنی زیادہ جاسوسی اور نگرانی ہے کہ ریاست ہمیں اندر اور باہر سے دیکھ رہی ہے، اور اس جاسوسی میں مارکیٹ کی مدد شامل ہوتی ہے۔ اسٹیٹ اور مارکیٹ کا آپس میں گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے اور

اس کے ذریعے جو ٹیکنالوجی وجود میں آتی ہے اس میں ہر چیز گویا ریاست کی مرضی کے موافق ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ human autonomy پر جس طرح ٹیکنالوجی نے جبر کیا ہے ناقابلِ بیان ہے۔ اب تصور یہ ہے کہ جو چیز ایجاد کی جاسکتی ہے وہ ایجاد کرنی ضروری ہے حالانکہ پرانے لوگوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ بہت سی چیزیں ان کے سامنے آتی رہیں مگر انھوں نے اسے مشغلہ نہیں بنایا۔ تصور یہ تھا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے، اس میں ہماری آخرت کے لیے فائدہ نہیں ہے۔ تو آزادی کو ٹیکنالوجی نے سلب کیا اور نہایت سفاکی کے ساتھ سلب کیا۔ پہلے کہتے تھے کہ Big brother is watching you، اب کہتے ہیں کہ Big data is watching you اور اب Data dictatorship کا دور جاری وساری ہے۔

دوسری بڑی قدر اہلِ مغرب کے یہاں Equality یا مساوات تھی۔ لیکن اب یہ ہے کہ جس کے پاس پیسہ ہے وہ ٹیکنالوجی کو استعمال کرکے اپنی قوت، صلاحیت اور اپنے تصرفات میں بہت اضافہ کرسکتا ہے اور ایک برتر حیثیت حاصل کرسکتا ہے، لیکن یہ بہت تھوڑے سے ہوں گے۔ اور باقی انسانیت ساری کی ساری اچھوت اور نچلے درجے کے ہوجائے گی۔ C. S. Lewis نے یہ بات ۱۹۳۰ء میں کہی تھی۔ اس کی ایک کتاب کا نام ہے The Abolition Of Man۔ اس نے کہا ہے کہ یہ جو فطرت کو یا نیچر کو مسخر کرنے کا پروجیکٹ ہے، یہ بنیادی طور پر فطرت کی تسخیر نہیں ہے بلکہ Conquering Of Humanity By Some People ہے۔ یعنی فطرت کو چند لوگ دریافت کررہے ہیں، انسانوں پر بھی وہی کنٹرول رکھتے ہیں اور یہی لوگ conditioners of the world ہوں گے۔ یہ سب لوگوں کو کنڈیشن کریں گے اور باقی سب لوگ ان کے محتاج ہوجائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ برابری کا خواب بھی ختم ہورہا ہے۔

ایک اور قدر humanity یا humanism یعنی انسانیت تھی۔ آج یہ کہا جارہا ہے کہ مشین انسانوں سے زیادہ ذہین اور زیادہ طاقتور ہوتی چکی ہے۔ مشینوں کے ذریعے لذت کا حصول زیادہ ہوتا جارہا ہے، تو پھر وہ انسان کہاں گیا انسان تو غائب ہوگیا۔

اس کے بعد ایک بہت بڑی قدر happiness یعنی خوشی اور سرور تھا۔ اس کو انھوں نے بت بنایا لیکن اب ان کو یہ لگ رہا ہے کہ ٹیکنالوجی ہمیں بیگانگی کی طرف دھکیل رہی ہے، اور ڈپریس کررہی ہے۔ اس پر تو بہت

سی اسٹڈیز آچکی ہیں کہ جو لوگ جتنا زیادہ سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں وہ اتنا اداس رہتے ہیں اور ڈپریس ہوتے ہیں۔ بظاہر لگتا ہے کہ اس نے ہمیں لوگوں سے جوڑ دیا ہے لیکن حقیقت میں اس نے ہمیں بہت تنہا کر دیا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ فیس بک پر یا مختلف چینلز پر جناب کے پانچ سو فرینڈز ہیں لیکن گوشت پوست کا دوست ایک بھی نہیں ہے، یہ تو ایک جعلی تعلق ہے، قربت تھوڑی ہے۔ کمیونٹی وہ ہوتی ہے جس کے ساتھ آپ کا فزیکل تعلق ہو۔ اہلِ مغرب کا ایک اور خواب جمہوریت تھا۔ لیکن اب جمہوریت کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ حکومت جتنی زیادہ totalitarian ہوگی اور جتنا آمرانہ برتاؤ کرے اتنا ہی وہ مضبوط ہوگی، تو پھر جمہوریت کیا ہوئی۔ اس کے بعد progress کا آئیڈیا تھا، اور ایک Utopian View تھا کہ ہم دنیا کو جنت بنا دیں گے، لیکن اب ہم دیکھتے ہیں ستر، اسی سال سے جو لٹریچر چھپ رہا ہے وہ Dystopian ہے، یعنی ادبیات میں ایسا دکھایا جاتا ہے کہ گویا ٹیکنالوجی دنیا کو جہنم بنا دے گی۔ پھر اسی طرح ایک تصور post human کا بھی ہے کہ اب انسانیت Transhumanism کی طرف جا رہی ہے گویا انسانیت اپنی موجودہ جسمانی و ذہنی حدود توڑ کر اوپر اٹھ رہی ہے۔ یہ ساری باتیں وہ ہیں جن کو مغرب والے خود بتا رہے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ جب بھی ٹیکنالوجی پر بات ہوتی ہے، تو ہوتا یہی ہے کہ what technology is doing for us زیادہ تر یہی ہوتی ہے۔ اور جب بھی ہم اس پر غور کریں گے تو ٹیکنالوجی کو ہم appreciate ہی کریں گے اور ہم اس کے فضائل ہی بیان کریں گے۔ لیکن ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ What technology is doing with us، اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ہم سب لوگ اس پر بھی غور کریں۔ ہم کسی آرام دہ ٹھنڈے کمرے میں بیٹھے ہوں، لائٹیں جل رہی ہوں، سہولت میسر ہو تو یہی لگتا ہے کہ ٹیکنالوجی ہمیں بہت کچھ ڈلیور کر رہی ہے تو ہم سب اس کے شکر گزار ہوتے ہیں لیکن ٹیکنالوجی ہمارے ساتھ کچھ کر رہی ہے اور ہمیں جس طرح بدل رہی ہے اس کا شعور شاید ہمیں نہیں ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ اس پہلو کو بھی Problematize کیا جانا چاہیے اور اس پر بھی گفتگو ہونی چاہیے۔

جاری ہے

* * * * *

مولانا حماد احمد ترک
نائب مدیر ماہنامہ مفاہیم، کراچی

شوکتِ سنجر و سلیم

قسط نمبر ۶

اس سلسلے کا عنوان پہلے ”جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے“ رکھا گیا تھا۔ اب بوجوہ تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پہلے بھی علامہ اقبال کا مصرع بطورِ عنوان لیا گیا تھا اور اب بھی علامہ کی نعت کا مصرع بطور عنوان درج کیا ہے،

شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود　　　فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمالِ بے نقاب

۱۰: سلیمان القانونی ۱۴۹۵ ۔ ۱۵۶۶ء

سلطان سلیم اوّل کی وفات پر ۱۵۲۰ء میں ان کا بیٹا سلیمان تخت نشین ہوا۔ اس وقت سلیمان کی عمر تقریباً ۲۶ سال تھی۔ سلیمان کم سنی میں ہی دینی و دنیاوی علوم سے بہرور ہو چکا تھا اور امورِ سلطنت میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتا تھا۔ سلیمان خود بھی ایک عمدہ شاعر تھا اور ”مُحِبّی“ تخلص کرتا تھا۔ اس کے روزناموں میں اس کے بے شمار اشعار درج تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ تمام عمر جنگوں میں گزارنے کے باوجود سلیمان نے اپنے ہم عصر شعرا سے زیادہ شعر کہے۔ سلیمان کا دیوان مرتب کیا گیا تو اس میں تقریباً ایک ہزار اشعار جمع کیے گئے۔ جب سلیمان کے والد سلطان سلیم نے ایران پر حملہ کیا تو سلیمان نائب السلطنت کی حیثیت سے قصرِ خلافت میں مقیم رہا، نیز مصر کے سفر میں سلطان سلیم نے شہزادہ سلیمان کو ادرنہ کا حاکم بنا دیا۔ اس کے علاوہ دیگر خطوں میں بھی سلیمان نے حاکم کی ذمے داری بخوبی ادا کی۔

سلیمان القانونی جب تخت پر جلوہ افروز ہوا تو پوری سلطنت میں ایک مدبر اور ذہین فرماں روا کی حیثیت

سے مشہور ہوچکا تھا۔ اس کی رحم دلی اور سخاوت کے بہت چرچے تھے۔ بہت سے امور جن میں سلطان سلیمان کے والد سلطان سلیم اول نے بہت سختی برتی، سلطان سلیمان نے ان میں نرمی کا حکم دیا، مثلاً وہ بے شمار مصری جنھیں جبراً قسطنطنیہ لایا گیا تھا، انھیں اپنے وطن جانے کی اجازت دے دی، جن ایرانی تاجروں کا مال ضبط کیا گیا تھا، انھیں نقد روپے دے کر تلافی کی گئی، وغیرہ۔ اسے سلیمانِ اعظم اور سلیمان القانونی کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے پہلی مرتبہ سلطنتِ عثمانیہ کا باقاعدہ آئین مرتب کیا اور امورِ سلطنت کے لیے نظم ونسق طے کیے۔

تمام عثمانی سلاطین میں سلیمان القانونی کا عہد طویل ترین عہدِ حکومت ہے۔ سلیمان نے تقریباً چھیالیس سال حکومت کی۔ اس کے دور سے قبل ہی عثمانی حدود میں بے پناہ اضافہ ہوچکا تھا۔ ایک طرف مصر و شام اور حجاز اور دوسری طرف ایران تک عثمانی سلطان سکہ چلتا تھا، چنانچہ سلیمان کا پورا دور عثمانیوں کے عروج کا دور ہے اور سب سے زیادہ سنہری دور قرار دیا جاتا ہے۔ سلطان سلیمان کا اکثر وقت جنگوں میں گزرتا تھا۔ تخت نشینی کے بعد پہلی جنگ ہنگری کے بادشاہ سے ہوئی جب اس نے خراج کی وصولی کرنے والے عثمانی سفیروں کو قتل کرادیا۔ انتقاماً سلطان سلیمان نے اپنے بھاری توپ خانے کے ساتھ بلغراد کا محاصرہ کرلیا۔ یہ وہی قلعہ تھا جہاں سے سلطان محمد فاتح کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سلطان سلیمان القانونی نے محض سات روز کی گولہ باری سے اسے فتح کرلیا، یہ رمضان المبارک کا مہینا اور سن ۱۵۲۱ء تھا۔ سلطان نے یہاں عام معافی کا اعلان کیا، عیسائی عبادت خانوں کو مسجد میں تبدیل کیا اور ایک دستہ یہاں چھوڑ کر اس دوسرے محاذ کی طرف قدم بڑھائے جہاں سے سلطان فاتح کو ناکام لوٹنا پڑا تھا، یہ روڈس کا محاذ تھا۔ سلطان محمد خان فاتح کو دو محاذوں پر ناکامی ہوئی تھی: ایک بلغراد اور دوسرا روڈس۔ اور سلطان سلیمان نے تخت نشینی کے دوسرے سال ہی دونوں محاذوں پر حملہ کیا، بلغراد کی شکست سے عبرت پکڑتے ہوئے وینس کی ریاست نے از سرِ نو اطاعت کا اقرار کیا اور دگنا خراج دینا منظور کیا۔ یوں تو ہنگری کے بہت سے قلعے فتح ہوگئے تھے، مگر دار الحکومت ابھی تک فتح نہیں ہوا تھا۔ سلیمان نے اس سے قبل روڈس پر لشکرکشی کی، سابقہ تجربات کی روشنی میں سلطان سلیمان کو بخوبی اندازہ تھا کہ یہ محاذ کتنا مشکل تھا، لیکن روڈس کی فتح ناگزیر تھی کیونکہ روڈس کے بحری جہاز مسلسل عثمانی تجارتی جہازوں کو لوٹتے رہتے تھے اور عثمانیوں اور مصریوں کے باہمی ربط میں رخنہ ڈالنے کے درپے تھے۔ سلطان نے اس جزیرے پر حملے

کے لیے تین سو جہازوں پر مشتمل بیڑا تیار کیا اور بحری راستے سے اسے روانہ کیا اور خود ایک لاکھ فوج کے ساتھ روڈس پہنچا۔ اگست ۱۵۲۲ء میں یہ محاصرہ شروع ہوا۔ عثمانیوں نے قلعے میں شگاف ڈالنے کی سر توڑ کوشش کی لیکن روڈس کا لشکر ان کے لیے لوہے کا چنا ثابت ہوا۔ پانچ مہینے تک جاری رہنے والے اس شدید محاصرے کے بعد کہیں جا کر روڈس کے جانباز سپاہی ہتھیار ڈالنے کے لیے رضامند ہوئے۔ ان کی بہادری اور عزم کی قدر کرتے ہوئے سلطان نے ان کے ساتھ بہت رعایت برتی، ان کے عبادت خانے سابقہ حال پر چھوڑ دیے۔ ان کے جنگجوؤں کو اجازت دے دی کہ بارہ دن کے اندر اندر جزیرہ چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں اور اپنا ساز و سامان بھی ساتھ لے جائیں۔ سلطان کی فراخ دلی کا عالم دیکھیے کہ اس مہلت کے عرصے میں عثمانی لشکر کو پیچھے ہٹا لیا کہ سپاہی بہ آسانی منتقل ہو سکیں، اور انھیں یہ سہولت بھی دی کہ اگر ان کے جہاز کم پڑ جائیں تو عثمانی جہاز استعمال کر کے جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ یہ سپاہی کریٹ اور مالٹا منتقل ہو گئے۔ سلطان نے کمالِ مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہلِ روڈس کو یہ پروانہ عطا کیا کہ اگلے پانچ سال تک ان پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جائے گا۔ یہ دسمبر ۱۵۲۲ء کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد اگلے تین سال تک کوئی قابلِ ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ سلطان ریاست کے اندرونی معاملات میں مشغول رہا، البتہ دو واقعات کا ذکر کرنا ضروری ہے: اوّل یہ کہ مصر کے حاکم احمد پاشا نے بغاوت کر دی جس کو فرو کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا گیا۔ جنگ کے نتیجے میں احمد پاشا قتل ہوا، بغاوت کچل دی گئی۔ دوم، سلطان سلیمان ۱۵۲۵ء کے اوائل میں شکار کی غرض سے ادرنہ روانہ ہوا تو ینی چری کے دستوں نے قسطنطنیہ میں لوٹ مار شروع کر دی۔ ینی چری فوج کا انتہائی خصوصی دستہ تھا جو براہِ راست سلطان کے ماتحت تھا اور ریاستی معاملات میں دخل اندازی ان کا مشغلہ تھا۔ یہ ایک طرح سے لاڈلے سپاہی تھے جو اپنی ناجائز فرمائشیں بھی پوری کروا لیتے تھے۔ البتہ جنگ میں جب بھی کوئی مشکل مرحلہ آتا تھا یا جان کی بازی لگا کر قلعے میں داخل ہونا پڑتا تو یہی ینی چری اس کام کو سرانجام دیتی تھی۔ یہ لوگ بس لڑنا اور مرنا جانتے تھے، شہر میں ان کا دم گھٹتا تھا، چنانچہ ان کی خاطر سلطان نے ہنگری پر حملے کا منصوبہ ترتیب دیا اور ایک لاکھ سپاہ مع تین سو توپوں کے؛ بودا پر حملہ آور ہوا اور قلیل وقت میں ہی انھیں عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ سردارانِ ہنگری سمیت

چوبیس ہزار سپاہی قتل ہوئے، اہلِ شہر نے ہتھیار ڈال کر شہر کے دروازے کھول دیے۔ سلطان نے انھی میں سے ایک کو ہنگری کا حاکم بنا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد ہنگری کے بعض امرا نے اپنے طور پر شاہ چارلس پنجم کے بھائی فرڈیننیڈ کو ہنگری کا حاکم قرار دے دیا۔ فرڈیننیڈ نے سلیمان القانونی کے مقرر کردہ حاکم کو شکست دے کر خود تخت پر قبضہ کر لیا اور عثمانی دربار میں اپنی حاکمیت کے اعلان کے ساتھ ساتھ بلغراد اور دیگر شہروں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس حماقت پر سلیمان القانونی سیخ پا ہو گیا اور تین سو توپوں اور ڈھائی لاکھ فوج کے ساتھ ایک مرتبہ پھر بودا پر حملہ کر کے فرڈیننیڈ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا اور سابقہ حاکم کو تخت نشین کیا۔

ستمبر ۱۵۲۹ء میں عثمانی شیر پھر کچھار سے نکلا اور ایک نئے شکار کی طرف روانہ ہوا۔ اب کی بار ہدف ویانا تھا۔ ویانہ کا محاصرہ شروع ہوا اور عثمانی سپاہیوں نے متعدّد حملے کر کے قلعے میں داخلے کے لیے شگاف پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ موسم سخت تھا اور بارشوں کی وجہ سے توپیں ہنگری میں چھوڑ دی گئی تھیں۔ عثمانی انجینیر بارہا سرنگیں کھود کر بارود بچھاتے اور دیواروں میں شگاف ڈالتے لیکن جو دستہ بھی قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کرتا، عیسائی سپاہیوں کی بہادری اسے ناکام لوٹا دیتی۔ ایک سبب یہ ہوا کہ مسلسل ناکامی کے بعد ینی چری نے نخرے شروع کیے اور حملہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سلطان سلیمان نے مایوس ہو کر محاصرہ اٹھا لیا۔

تین سال بعد سلیمان عثمانی لشکر کے ساتھ ایک مرتبہ پھر ویانا کی طرف بڑھا لیکن راستے میں آنے والے قلعے 'گنس' کو فتح کرنے میں بہت وقت صرف ہو گیا، چنانچہ اس مرتبہ بھی عثمانی لشکر ہنگری کے دیگر شہروں کو فتح کرتا ہوا ویانا سے نظریں چرا کر واپس آ گیا۔ ہنگری میں خانہ جنگی بدستور جاری رہی حتیٰ کہ ۱۵۳۸ء میں ہنگری کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں دعوے داروں کو ایک ایک حصہ دے دیا گیا۔ کچھ ہی عرصے میں سلطان کے مقرر کردہ حاکمِ ہنگری کا انتقال ہو گیا تو فرڈیننیڈ نے پورے ہنگری پر قبضہ کر لیا۔ اس پر ۱۵۴۱ء میں سلطان سلیمان نے ایک بار پھر بودا پر حملہ کیا اور وہاں سے فرڈیننیڈ کو شکست دے کر عثمانی گورنروں کو مقرر کر دیا۔ سلیمان القانونی نے ہنگری میں یلغار جاری رکھی، اس اُفتاد سے تنگ آ کر بالآخر ۱۵۴۴ء میں فرڈیننیڈ اور شاہ چارلس نے صلح پر آمادگی ظاہر کر دی اور پانچ سال کے لیے بھاری خراج کے عوض جنگ بندی ہو گئی اور

ہنگری عثمانی سلطنت کے زیرِ نگیں آگیا۔ ہنگری کی فتح سے قبل اور اس کے بعد بھی سلطان نے ایران پر متعدّد مرتبہ لشکرکشی کی اور بہت سے علاقے فتح کیے لیکن مجموعی طور پر ترک لشکر کو موسم کی شدت اور دیگر مصائب کے سبب ناکامی کا سامنا رہا۔ سامانِ رسد کی عدم فراہمی نے بھی بہت سی مشکلات پیدا کر دیں۔

سلطان سلیمان القانونی کی گراں قدر خدمات میں بحری فوج کی ترقی اور تنظیم سرِفہرست ہے۔ اس زمانے میں عثمانی بیڑا بحرِ روم میں جنگل کے شیر کی طرح راج کرتا تھا اور دو مرتبہ اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور اتحادی بیڑے یعنی اسپین، وینس اور پوپ کے مشترکہ بیڑے کو بدترین شکست سے دوچار کر چکا تھا۔ سلطان نے اپنے عہد میں بہت بڑے بڑے جنگی بحری جہاز تیار کروائے اور متعدّد ماہرین کو عثمانی بحریہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا، انھی میں ایک معروف نام خیر الدین باربروس کا ہے جو اپنی قابلیت، تجربے اور صلاحیت میں یکتا تھے اور تمام بحری جنگجواِن سے بخوبی واقف تھے۔ خیر الدین باربروس یورپ میں بحری قذاق مشہور تھے، کیونکہ انھوں نے اپنا ذاتی بیڑا تیار کیا تھا جس کے ساتھ وہ بحرِ روم کے تجارتی جہازوں کو لوٹا کرتے تھے۔ انھوں نے اسپین کے مجبور و مظلوم مسلمانوں کی بڑی تعداد کو اپنے جہازوں کے ذریعے الجزائر منتقل کیا، یہ مسلمان اسپین کی ظالم حکومت کی ایذارسانیوں سے بہت تنگ تھے، تقریباً ستر ہزار مسلمان خیر الدین باربروس کی مدد سے الجزائر پہنچ گئے۔ سلطان سلیمان القانونی نے انھیں عثمانی بحریہ کا امیرِ اعظم مقرر کیا۔ وینس، ہنگری اور پوپ کے مشترکہ بحری بیڑے کو خیر الدین پاشا نے ہی شکست سے دوچار کیا اور وینس وغیرہ کے بہت سے جزیرے عثمانی سلطنت میں شامل کیے۔ دوسری طرف الجزائر پر پہلے ہی سے خیر الدین باربروس کا قبضہ تھا جو یورپ کے سر پر لٹکی ہوئی تلوار کی مانند تھا۔ شاہ چارلس نے الجزائر کی فتح کے لیے بیڑا روانہ کیا لیکن اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

سلیمان القانونی کے عہد میں اہلِ یورپ میں عثمانی ریاست کی حیثیت ایک عظیم قوت کے طور پر مسلم تھی۔ سلاطینِ یورپ کی باہمی معرکہ آرائی میں سلطان سلیمان القانونی نے فرانس کی درخواست پر اس کا حلیف بننا قبول کیا اور کئی جنگوں میں شہنشاہ چارلس کے خلاف فرانس کا ساتھ دیا۔ فرانس کو اس معاہدے کے نتیجے میں عثمانی ریاست سے جو مراعات ملیں ناقابلِ بیان ہیں۔ فرانسیسی جہاز کے علاوہ کوئی جہاز عثمانی

بحری حدود میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ فرانس کو بہت کم محصول کے عوض تمام بندر گاہوں سے تجارت کی اجازت تھی، فرانسیسی شہریوں کو خصوصی حقوق دیے گئے اور عثمانی حدود میں بھی ان کو اپنے قوانین کے مطابق فیصلوں کی گنجائش دی گئی، کسی فرانسیسی کے خلاف عثمانی عدالت فیصلہ نہیں کر سکتی تھی، جب تک کہ فرانسیسی کونسل کا نمائندہ اس کارروائی کا حصہ نہ ہو۔

۱۵۴۶ء میں خیر الدین باربروس کا انتقال ہو گیا جس سے عثمانی بحریہ کو بڑا دھچکا لگا۔ خیر الدین محض ایک سپاہی نہیں بہت علم دوست انسان تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی کی کمائی سے ایک تعلیمی ادارہ بھی تعمیر کروایا۔ خیر الدین کی طرح ایک اور بحری کمان دار طور غوت تھا جو ذاتی بحری بیڑے کا مالک تھا اور یورپ کے تجارتی جہازوں کو لوٹتا تھا، اس نے بھی عثمانی بحریہ میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ طرابلس اسی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

سلیمان القانونی کے عہد میں ایک بڑا محاذ پرتگالی جنگجوؤں کے خلاف تھا، ۱۵۲۵ سے ۱۵۵۴ء تک ان کے ساتھ متعدّد بحری معرکے ہوئے لیکن عثمانی بحریہ کو کامیابی نہیں مل سکی۔ ایک اور مشکل محاذ مالٹا کا تھا جس میں عثمانی بحریہ کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی اور پچیس ہزار عثمانی سپاہی شہید ہوئے۔ اگرچہ اس مہم میں ایک سو اسی کے قریب بحری جہازوں پر مشتمل لشکر مالٹا پر حملہ آور ہوا تھا لیکن عثمانی لشکر کو بھاری نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

تختِ ہنگری کے دعوے دار فرڈیننڈ کے مرنے کے بعد اس کے بھائی نے ۱۵۶۶ء میں علمِ بغاوت بلند کیا اور سلیمان القانونی کے مقرر کردہ حاکمِ ہنگری کو معزول کرنے کا اعلان کیا۔ اس وقت سلیمان القانونی کی عمر ۷۲ سال ہو چکی تھی اور ضعف وعلالت کے سبب وہ گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا تھا، لیکن پھر بھی اس نے لشکر کی قیادت کا اعلان کیا اور پالکی میں سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اسی سفر کے دوران سلطان سلیمان القانونی کا انتقال ہو گیا۔ یہ ستمبر ۱۵۶۶ء کی رات تھی۔ صدرِ اعظم صوقوللّی نے سلطان کی وفات کو مخفی رکھا اور مسالہ لگا کر اسے محفوظ کر دیا۔ لوگوں کو بتایا کہ سلطان علیل ہیں اور لشکر اپنے ہدف کی طرف بڑھتا رہا۔ دوسری طرف شہزادہ سلیم کو سلطان کی وفات سے آگاہ کر دیا گیا تاکہ وہ قسطنطنیہ پہنچ کر تخت سنبھال لے۔ جب شہزادہ سلیم نے اپنی حکومت کا اعلان کیا تب لشکر کو وفات کی خبر سنائی گئی۔ لشکر کو اس حملے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

سلطان سلیمان کے عہد میں سلطنتِ عثمانیہ نے غیر معمولی عروج حاصل کیا۔ ایک طرف فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوا تو دوسری طرف ریاست میں خوشحالی کا دور دورہ ہوگیا۔ سلطان سلیمان القانونی؛ ایشیا، افریقہ اور یورپ پر حکمرانی کرتا تھا اور بحرِ روم، بحرِ ہند اور بحرِ احمر میں عثمانی جہاز شان و شوکت سے آتے جاتے تھے۔ سلطان کے عہد میں غیر مسلم باشندوں کو جو سہولیات دی گئیں ناقابلِ بیان ہیں۔ سزاؤں کے قوانین از سرِ نو مرتب کیے گئے۔ بازار میں منافع کی شرح اور خرید و فروخت کے ضابطے متعیّن ہوئے۔ اسی طرح سابقہ سلاطین کی پیروی میں سلیمان نے علم کی اشاعت پر خاص توجہ دی۔ کئی مدارس کی بنیاد ڈالی۔ سلیمان القانونی نے جس طرح دیگر امور میں آئین سازی کی، اسی طرح علما کے لیے بھی قوانین مقرر کیے۔ ریاستی سطح پر علما کو معزز و مکرم قرار دے کر انھیں ہر طرح کے محصولات سے بری قرار دے دیا۔ یہ سلیمان القانونی کا ایک بڑا کارنامہ ہے کہ علما کی تعظیم و تکریم جس طرح اس کے عہد میں ہوئی اس سے قبل نہیں تھی۔ سلیمان نے حرمین شریفین کی خدمت بہت بڑھ چڑھ کر کی اور اہلِ حرم کے لیے شاہی انعامات میں بہت اضافہ کر دیا۔ مکہ معظمہ میں چاروں مذاہب کے لیے الگ الگ چار مدارس کی بنیاد رکھی۔ اور شام کے اوقاف سے ان مدارس کے طلبہ کے لیے وظائف مقرر کیے۔ مدینہ شریف میں شاہی خزانے کے ساتھ ساتھ ذاتی رقم سے بھی صدقہ و خیرات کی مد میں کثیر مال ارسال کرنے کو شعار بنا لیا۔ سلیمان القانونی جس طرح امورِ سلطنت میں ایک مدبر حاکم ثابت ہوا اسی طرح فنِّ تعمیرات میں بھی اعلیٰ ذوق کا حامل تھا۔ سلطان نے قسطنطنیہ، قونیہ، دمشق، بغداد اور دیگر شہروں میں عالی شان عمارات بنوائیں، بہت سی مساجد تعمیر کیں، اسپتال بنوائے۔ قسطنطنیہ میں ایک بڑی نہر جاری کی اور پل تعمیر کروائے۔

سلطان سلیمان کے دور میں ہی مشہور ماہرِ تعمیرات معمار سنان نے اپنی مہارت کے جوہر دکھائے۔ معمار سنان نے سلطان سلیمان کے حکم پر پہلی مسجد ”شہزادہ مسجد“ تعمیر کی۔ شہزادہ مسجد سلطان سلیمان کے بیٹے محمد کی یاد میں تعمیر کی گئی جو ایک حادثے کا شکار ہوا اور ۱۵۴۳ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ سلطان سلیمان شہزادہ محمد کی وفات سے بہت دل برداشتہ ہوا۔ سلطان نے محمد کی وفات پر ایک مرثیہ بھی لکھا۔ شہزادہ محمد کی یاد میں بنائی گئی اس شہزادہ مسجد کے احاطے میں درس گاہیں اور مسافر خانے بھی تعمیر کیے گئے۔ سلطان سلیمان

کے داماد رستم پاشا اور بیٹے شہزادہ محمد کا مقبرہ بھی یہیں واقع ہے۔ اسی دور میں سلطان سلیمان القانونی کی بیٹی ”مہر ماہ سلطان“ کے حکم پر دو مسجدیں تعمیر کی گئیں۔

لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ ساتھ سلطان سلیمان پر اپنے بے قصور بیٹے کے قتل کا داغ بھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان کا بیٹا مصطفیٰ ریاستی امور میں مہارت کے ساتھ ساتھ علم وفضل اور اخلاق میں بھی شہرت رکھتا تھا اور عمر میں بڑا ہونے کی حیثیت سے تخت کا متوقع وارث تھا۔ سلطان سلیمان کی ایک نہایت چہیتی بیوی حرُم جو کہ نسلاً روسی تھی، اپنے نالائق اور عیش پسند بیٹے سلیم کو سلطان بنانے کا خواب دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ اس نے شہزادہ مصطفیٰ کے خلاف سلطان کے کان بھرنا شروع کیے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مصطفیٰ تخت پر قبضے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ ان بے بنیاد الزامات کی بوچھار نے سلیمان کو کہیں کا نہ چھوڑا اور بالآخر ایک دن سلیمان نے مصطفیٰ کو خیمے میں بلا کر مروا دیا۔ یہ حالت دیکھ کر دوسرا بھائی بایزید پریشان ہوگیا۔ اسے دیگر لوگوں نے ورغلا کر بغاوت پر آمادہ کر لیا، لیکن جلد ہی شکست کھا کر ایران میں پناہ لے لی۔ سلطان کے حکم پر؛ باوجود حفاظت کی یقین دہانی کے؛ ایرانی حاکم نے بایزید کو عثمانی سفیر کے حوالے کر دیا جسے سلطان نے قتل کروا دیا۔ ان معاملات کے ساتھ ساتھ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سلیمان کے کچھ دیگر پہلو بھی تھے، جنھوں نے عثمانی ریاست کی تباہی کا آغاز کیا، مثلاً خواتین کی امورِ سلطنت میں حد سے زیادہ مداخلت، اسی طرح رشوت ستانی کا آغاز جسے بعد میں بہت فروغ ملا اور سرکاری مناصب فروخت ہونے لگے۔ رشوت کا آغاز مہر ماہ سلطان کے شوہر اور سلطان سلیمان القانونی کے داماد ”رستم پاشا“ نے کیا اور بڑی بڑی رقمیں وصول کیں۔ سلیمان کے عہد تک تو یہ سلسلہ کسی درجے قابو میں تھا لیکن اس کے بعد اس رشوت خوری کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آخری بات یہ کہ سلیمان القانونی نے سابقہ سلاطین کی اتباع نہ کی اور مجلسِ مشاورت کے لیے دیوان میں آنا چھوڑ دیا۔ اس سے قبل سلاطین بذاتِ خود مجلس میں شریک ہوتے تھے اور وزرا سے مشورہ کرتے تھے۔ سلطان نے دیوان کے ساتھ علیحدہ ایک کمرہ اپنی نشست کے لیے مختص کیا اور وہی سے مجلس کی کارروائی کو سنتا۔ آہستہ آہستہ وزرا نے وہاں بیٹھنا چھوڑ دیا اور سلیمان خود ہی فیصلے صادر کرنے لگا۔ اس خرابی کا اظہار سلیمان کی وفات کے بعد ہوا جب سلاطین میں سلیمان جیسی ذہانت نہ رہی۔ سلیمان ایک مردم شناس

آدمی تھا اور بہترین تدبیر کرتا تھا۔ بعد کے لوگوں نے جب از خود فیصلے کیے اور مشاورت ترک کردی تو سارا نظام تلپٹ ہو گیا۔

لشکر کی فتح کے بعد سلطان کا جسدِ خاکی قسطنطنیہ لایا گیا اور سلیمان القانونی کو سلیمانیہ مسجد میں دفن کیا گیا۔ یہ مسجد سلطان سلیمان کے حکم پر معمار سنان نے تعمیر کی تھی۔ اس کی تعمیر ۱۵۵۰ء میں شروع ہوئی اور ۱۵۵۷ء میں مکمل ہوئی۔ یہ مسجد فنِ تعمیر کا ایک شاہ کار ہے۔ بازنطینی اس وہم کا شکار تھے کہ آیا صوفیہ جیسا گنبد بنانا ممکن نہیں اور عثمانیوں کے بس کی بات نہیں۔ معمار سنان نے یہ چیلنج قبول کیا اور آیا صوفیہ سے بڑا گنبد تعمیر کر دیا۔ یہ مسجد استنبول کی سات چوٹیوں میں سے ایک چوٹی پر واقع ہے اور سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ مسجد کے چار مینار ہیں اور ان میں کل دس گیلریاں ہیں، جو اشارہ کرتی ہیں کہ سلیمان القانونی دسویں عثمانی سلطان تھے۔ اس کے احاطے میں صرف مسجد ہی نہیں مدرسہ، اسپتال، کاروان سرائے، مسافر خانے، لنگر خانہ، علمِ حدیث اور علمِ طب کی علیحدہ درس گاہیں بھی قائم کی گئی تھیں۔ سلطان سلیمان القانونی، ان کی اہلیہ حرم سلطان اور ان کی بیٹی مہرماہ سلطان یہیں مدفون ہیں، مسجد کے ساتھ ہی معمار سنان کا بھی مقبرہ ہے۔

جاری ہے

کتابیات

السلاطين العثمانيون، راشد كوندوغدو،الناشر:دار الرموز للنشر،إسطنبول،۲۰۱۸ء

آلبوم پادشاہانِ عثمانی، مترجم: میلاد سلمانی، ناشر: انتشاراتِ قَقْنُوس، استنبول، ۲۰۱۵ء

تاریخ سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر محمد عزیر، ناشر: کتاب میلہ، ۲۰۱۸ء

سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر علی محمد الصلابی، مترجم: علامہ محمد ظفر اقبال، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جون ۲۰۲۰ء

* * * * *

صوفی جمیل الرحمن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم و ناظمِ شعبہ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ

قسط نمبر ۲۱

۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید رحمہ اللہ کو منصبِ خلافت سے معزول کیا گیا۔ ان کے بعد محمد رشاد کو محمد الخامس کے لقب سے خلیفہ بنایا گیا۔ اس وقت ان کی عمر اڑسٹھ سال تھی۔ خلیفہ کا یہ منصب برائے نام تھا اور تمام تر اختیار جمیعتِ اتحاد و ترقی کے ہاتھ میں تھا۔ ۱۹۱۱ء میں ترکی میں انتخابات کرائے گئے جس میں جمیعتِ اتحاد کو کامیابی ملی۔ اس سے حکومت پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی گئی اور انھوں نے وطنی قومیت اور لبرل خیالات کا جھنڈا بلند کیا۔ ۱۹۱۱ء ہی میں اٹلی نے لیبیا پر حملہ کر دیا۔ یہاں انور پاشا اور عزیز علی المصری نے بہت جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ سنوسی تحریک نے بھی ترکوں کے شانہ بہ شانہ جہاد میں حصہ لیا۔ محمد علی سنوسی کبیر کے پوتے احمد شریف سنوسی اس جہاد میں ان کی قیادت کر رہے تھے۔ فاطمہ بنت عبد اللہ اسی سلسلے کی جنگِ طرابلس میں شہید ہونے والی ایک نوجوان خاتون تھی جس پر علامہ اقبال نے نظم لکھی تھی۔ باوجود یہ کہ مسلمان لیبیا کا دفاع کرتے ہوئے اطالوی فوجوں کو پیچھے دھکیل رہے تھے، اس دوران استنبول کی اتحادی حکومت اٹلی سے صلح پر مجبور ہو گئی اور انور پاشا کو پسپائی کا حکم دیا تاہم مجاہدین پھر بھی برسرِپیکار رہے لیکن کوئی نمایاں کامیابی نہ حاصل کر سکے۔

۱۹۱۲ء میں ترکی کو جنگِ بلقان اول کا سامنا کرنا پڑا جب بلقانی اتحاد (سربیا، یونان، بلغاریہ، مونٹی نیگرو) نے ترکی کے خلاف جنگ برپا کر دی۔ اس جنگ میں ترکی کو اپنے کئی یورپی مقبوضات سے دست بردار ہونا

پڑا۔اس جنگ کے نتیجے کے طور پر البانیہ نے بھی ترکی سے آزادی حاصل کی۔ اس جنگ میں شکست پر انور جمال پاشا نے کامل پاشا کی وزارت کو برطرف کر کے محمود شوکت پاشا کی سرکردگی میں نئی وزارت تشکیل دی جو چل نہ سکی اور چھے مہینے کے بعد محمود شوکت پاشا کو برطرف کر کے تین پاشاؤں پر مشتمل کونسل تشکیل دی گئی۔ ۱۹۱۳ء میں بلقانی اتحاد کے درمیان ترکی سے حاصل ہونے والے مقبوضات کی تقسیم کے معاملے پر پھوٹ پڑ گئی اور وہ باہم لڑ بیٹھے۔ بلغاریہ ایک طرف تھا جب کہ دوسری طرف سربیا، یونان، رومانیہ اور مونٹی نیگرو تھے۔ ترقی نے اس جنگ میں بلغاریہ کے خلاف شامل ہو کر اپنے کئی علاقے واگزار کرا لیے جو پہلے اس سے چھن گئے تھے۔ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم اول چھڑ گئی۔ اس میں ایک طرف جرمنی کا ملک تھا جب کہ دوسری طرف بہت سے ملکوں کا اتحاد تھا جن میں روس، برطانیہ اور فرانس سرِفہرست تھے۔ عثمانی فوج کی تربیت و ترتیب میں جرمنی کا کافی عمل دخل تھا اور جرمنی ایک طویل عرصے سے ترکوں کا اتحادی تھا۔ جبکہ اتحادی ممالک میں اکثر وہ تھے جو عثمانیوں کے دشمن تھے۔ ان میں سے بعض کے ساتھ ترکوں کی باقاعدہ لڑائیاں ہو چکی تھیں اور ان میں سے اکثر ترکی علاقوں پر قبضے کے خواہش مند تھے۔

اگرچہ سلطان محمد الخامس کی رائے تھی کہ ہمیں اس جنگ میں غیر جانبدار رہنا چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری فوجی حالت کسی بڑی جنگ میں شرکت کے قابل نہیں ہے۔ ابتدا میں پاشا کونسل میں سے بعض ان کے حامی تھے لیکن بعد میں تینوں پاشا جنگ میں حصہ لینے پر آمادہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ کچھ مزید واقعات ایسے پیش آئے کہ چار و ناچار ترکی کو جرمنی کی طرف سے اتحادیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینا پڑا۔ جنگِ عظیم میں ترکی نے انور پاشا کی قیادت میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ قفقاز کے علاقے میں روس پر حملہ کیا لیکن یہاں بری طرح شکست کا سامنا کرنا اور بمشکل بچی کھچی فوجیں ارضِ روم کی طرف پسپا ہوئیں۔

عثمانیوں کا ایک حملہ لیبیا اور صحرائے سینا کی طرف سے نہرِ سویز کی طرف تھا تاکہ انگریزوں کا برصغیر سے رابطہ منقطع کیا جا سکے۔ کئی مہینوں کی اس جنگ میں بعض معرکوں میں چھوٹی کامیابیوں کے باوجود یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ انھی محاذوں پر عثمانیوں اور برٹش انڈین آرمی کا آمنا سامنا ہوا۔ ترکوں کے بعد جرمنوں نے بھی اس علاقے پر حملے کیے لیکن وہ بھی ناکام رہے۔ سلطنت عثمانیہ کے اعتبار سے جنگی محاذوں

میں سب سے اہم محاذ حجاز اور شام کا علاقہ تھا جہاں برطانیہ کی فوج حملہ آور ہوئی۔ اس علاقے میں لارنس آف عربیا بھی سرگرم عمل تھا۔

سلطان عبد الحمید کو شریفِ مکہ حسین بن علی الہاشمی کے عزائم اچھے نہ لگتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اسے استنبول میں اپنا مہمان بنایا ہوا تھا۔ جمعیتِ اتحاد کی حکومت نے اسے حجاز روانہ کر دیا تھا۔ یہاں اس نے لارنس کے ذریعے انگریزوں سے ساز باز کر لی۔ اس نے سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ بغاوت کی اور اپنے تیسرے بیٹے فیصل ابنِ حسینِ بن علی کے زیرِ سرکردگی ایک فوج اتحادی کمان کے ماتحت عثمانیوں سے لڑنے کے لیے روانہ کر دی۔ اس کے علاوہ حجاز کی ایک قبائلی ریاست ادریسیہ کے بانی محمد بن احمد الادریسی نے بھی انگریزوں سے اتحاد کر لیا۔ اس محاذ پر جرمن جنرل ساندرس متعیّن تھا۔ ترکی کی طرف سے مصطفی کمال پاشا یہاں ساتویں بریگیڈ کی قیادت کرتا ہوا موجود تھا۔ اس محاذ پر عثمانیوں اور جرمنوں کو شکست ہوئی۔ جنرل ساندرس قیدی بنا اور مصطفی کمال پاشا فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔ حجاز پر ہاشمی اور دیگر قبائل کی آزاد ریاستیں وجود میں آئیں جو چند سال کی لڑائی بھڑائی کے بعد سعودی سلطنت میں مدغم ہوتی گئیں۔ پورا شام انگریزوں کے قبضے میں آ گیا۔ جنرل ایڈمنڈ ہنری ایلن بی قدس میں داخل ہوا اور بدنامِ زمانہ بیان دیا کہ آج صلیبی جنگیں اپنی کامیابی کو پہنچ گئیں۔ یونان اور اٹلی نے بہت سے یورپی علاقے ترکی سے چھین لیے اور اتحادی افواج نے استنبول کی طرف بھی حملے کیے لیکن ترک اس کا دفاع کرنے میں کامیاب رہے۔

محمد الخامس الرشاد کے انتقال کے بعد وحید الدین محمد السادس خلیفہ بنائے گئے۔ جمعیتِ اتحاد و ترقی کی حکومت کے سرکردہ اراکین جرمنی کی ایک کشتی میں ملک سے فرار ہو گئے۔ ان میں طلعت پاشا، جمال پاشا، عزمی بک وغیرہ تھے۔ انور پاشا روس کی قید میں چلا گیا تھا، وہاں سے فرار ہو کر اپنے بھائی نوری پاشا کے پاس چلا گیا جو قفقاز وغیرہ کی طرف روس کے خلاف برسرِپیکار تھا۔ انور پاشا روس کے خلاف لڑتا ہوا بخارا میں مقتول ہوا۔ ملک میں اتحادیوں کی درجۂ دوم کی قیادت باقی بچی تھی، مصطفی کمال پاشا بھی انھی میں شامل تھا۔ سلطان وحید الدین نے مصطفی کمال پاشا کو اپنے قریب کیا اور کثیر سرمایہ دے کر اسے اناطولیہ میں فوجوں کی تنظیم پر مقرر کیا۔ ۱۳۳۸ھ میں اتحادی ممالک کا ایک اجلاس پیرس میں منعقد ہوا جس میں طے کیا گیا کہ یونان ازمیر میں اپنی فوجیں داخل

کرے گا اور ترکی کی طرف سے دفاع کو اعلانِ جنگ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ازمیر پر یونان نے قبضہ کرلیا۔

مصطفی کمال پاشا نے مختلف نواب اور امرا کو ملا کر ایک مجلس کا قیام کیا۔ اس مجلس نے کمال پاشا کو اپنا رہبر تسلیم کیا۔ جلد ہی انقرہ اس مجلس کا مرکز بن گیا۔ یہ ایک طرح سے استنبول کے متوازی ایک حکومت تھی۔ کمال پاشا اور مجلسِ سرداران نے مملکت کے دفاع و تحفظ کا عہد کیا۔ اس کے بعد سیواس شہر میں اس مجلس کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ بالا نِکات پر قول و اقرار کیے گئے۔ جنگِ عظیم ختم ہوئی اور اس کے خاتمے بعد کے چند سالوں میں مصطفی کمال کی جدوجہد کو عروج ملا۔ اس دوران اُس نے مختلف سیاسی قائدین کے ساتھ رابطے کر کے ایک سیکیولر ریاست کے قیام کی راہ ہموار کی۔ ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۲۴ء کا عرصہ ترکی میں مختلف وزارتوں کے جوڑ توڑ پر مشتمل تھا۔ سلطان وحید الدین کے بعد سلطان عبدالمجید ثانی خلافت کے منصب پر فائز ہوئے جو برائے نام عثمانی خلفا میں بھی آخری خلیفہ ہوئے۔ یہ دور ترکی کی جنگِ آزادی کا دور کہلاتا ہے جس میں مصطفی کمال پاشا نے جنگِ آزادی کی قیادت کی۔

۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں ترکوں نے کمال پاشا کی فوجی قیادت میں یونانیوں کو کئی معرکوں میں شکست دی۔ اس کے علاوہ برطانیہ، اٹلی اور آرمینا وغیرہ سے کامیاب معرکوں کے ذریعے انھوں نے کئی ایک ترک علاقے آزاد کرائے۔ ۱۹۲۴ء میں ترکی اور اتحادیوں کے درمیان معاہدہ لوزان طے پایا جس کی رو سے خلافت کا خاتمہ کر کے جمہوریہ ترکی کی بنیاد رکھی گئی اور ترکی کی نئی حدود طے کر کے اس کی سالمیت کو تسلیم کیا گیا۔ اگرچہ اس معاہدے کی رو سے شرق و غرب کے ان تمام ممالک کو قانونی حیثیت مل گئی جو سلطنتِ عثمانیہ سے الگ کیے گئے تھے لیکن اس سے ''بچے کھچے'' ترکی کو تسلیم کرلیا گیا۔

جاری ہے

کتابیات

تاریخ دولة عثمانیة،یلماز اوزتونا، مترجم:عدنان محمود سلمان

السلطان عبد الحمید و هرتزل، دکتور بها الأمیر

الدولة العُثمانية – عَوَاملُ النهُوض وأسباب السُّقوط، عَلي محمد محمد الصَّلاَّبي

القدس و المسجد الأقصی عبر التاریخ، دکتور محمد علي البار

المفصل في تاريخ القدس، عارف العارف

أسرار انقلاب عثماني، مصطفی طوران

*****

تحریر و تخریج: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
استاذ کمپیوٹر سائنس، ایم ٹی یو، آئرلینڈ

بٹ کوائن کو کون کنٹرول کرتا ہے؟

کمپیوٹر سائنس نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ چاہے وہ سمندر میں زیرِ آب چلنے والی آبدوز ہو یا آسمانوں کی بلندیوں پر اُڑتے ہوئے ہوائی جہاز، وہ پٹرول پمپ پر لگا فیول بتانے والا پینل ہو یا دماغ میں فٹ ہونے والی چھوٹی سی چپ، ہمیں ہر جگہ کمپیوٹر سائنس کے شاہ کار نظر آتے ہیں، اور ان میں کلیدی کردار کمپیوٹر سافٹ ویئر کا ہوتا ہے جس کی مدد سے کمپیوٹر ہارڈ ویئر یا آسان الفاظ میں مائیکرو پروسیسر کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ کمپیوٹر سافٹ ویئر کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں: پہلی قسم Proprietary سافٹ ویئرز کی ہے یعنی وہ سافٹ ویئر جو کسی کمپنی یا ادارے کی ملکیت ہوتے ہیں اور ان کو استعمال کرنے کے لیے باقاعدہ فیس دے کر لائسنس حاصل کیا جاتا ہے۔ مائیکروسافٹ ونڈوز آپریٹنگ سسٹم اس کی ایک مثال ہے۔ نیز ان پروپرائیٹیری سافٹ ویئرز میں اگر کوئی تبدیلی کرنی ہے یا کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو متعلقہ کمپنی ہی اس مسئلے کو حل کرتی ہے۔ عمومی طور پر پروپرائیٹیری سافٹ ویئرز کا سورس کوڈ بھی صارفین کے ساتھ شیئر نہیں کیا جاتا اور سافٹ ویئر بنانے والی پروپرائیٹیری کمپنی ہی کا سافٹ ویئر پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔ دوسری سافٹ ویئر کی قسم کو اوپن سورس سافٹ ویئرز کہا جاتا ہے یعنی وہ کمپیوٹر سافٹ ویئرز جن کو استعمال کرنے کے لیے کوئی فیس ادا نہیں کرنی ہوتی اور ہر کوئی ان کو استعمال کر سکتا ہے۔ اوپن سورس سافٹ ویئرز کو عمومی طور پر پروگرامرز یا ڈیویلپرز کی ایک ٹیم یعنی کمیونٹی چلاتی ہے اور وہی اس کے اندر نت نئی ترمیمات اور تبدیلیاں کرتی ہے اور کسی ممکنہ خرابی کی صورت میں وہی کمیونٹی مل جل کر اس کا حل نکالتی ہے، لینکس آپریٹنگ سسٹم؛ اوپن سورس سافٹ ویئر کی

ایک مثال ہے۔ اوپن سورس سافٹ ویئر کے اندر بھی لائسنس ہوتا ہے، ان میں مقبول BSD, GPU General Public License اور MIT License ہیں جس کے تحت کوئی بھی شخص یا ادارہ ان سافٹ ویئرز کو استعمال، ان میں ترمیمات اور حتیٰ کہ ان کا کمرشل استعمال بھی کر سکتا ہے۔

بٹ کوائن کرپٹو کرنسی بھی ایک اوپن سورس "بلاک چین" سافٹ ویئر پروجیکٹ ہے جو کہ GitHub پر موجود ہے اور اس کو MIT License حاصل ہے، یعنی اس کے کوڈ کو کوئی بھی ڈاؤنلوڈ کر سکتا ہے، استعمال کر سکتا ہے، اس میں تبدیلی کر کے اس سے ایک نیا سافٹ ویئر (کرپٹو کرنسی) بنا سکتا ہے حتیٰ کہ اس کا کمرشل استعمال بھی کر سکتا ہے۔ جو جو کمپیوٹر پروگرامرز اس بٹ کوائن اوپن سورس پروجیکٹ کا حصہ ہیں، ان کی کی گئی بٹ کوائن کوڈ میں تبدیلیاں اور اضافات، اور وہ کس ادارے سے وابسطہ ہیں، ان میں سے کچھ کے نام بٹ کوائن ویب سائٹ اور ایم آئی ٹی کی ڈیجیٹل کرنسی انیشیٹیو پر بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ تو بنیادی بات یہ ہے کہ دیگر اوپن سورس سافٹ ویئر پروجیکٹ کی طرح بٹ کوائن کے سورس کوڈ کا انتظام بھی کمپیوٹر پروگرامرز کی ایک ٹیم سنبھالتی ہے، جس کو Bitcoin Core Development Team کہا جاتا ہے، یہی کور ٹیم ووٹنگ کے ذریعے بٹ کوائن کے کوڈ میں ترمیمات اور اضافات کرتی ہے اور کسی مجوزہ ترمیم کو شامل کرنے نہ کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔

بٹ کوائن کے اندر کوڈ میں ترامیم کرنے کیلیئے بٹ کوائن امپرومنٹ پروپوزل (BIP) کا طریقہ کار رائج ہے۔ بٹ کوائن کی اپنی ویب سائٹ پر دی گئی BIP 2 کی وضاحت کے مطابق وہ عمومی طور پر فیصلہ سازی کے اندر آزاد ہیں اور بٹ کوائن صارفین ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ بٹ کوائن کے اندر کون سی تبدیلیاں کرنی ہیں اور یہ ڈی سینٹرلائزڈ طریقہ کار کے مطابق ہوتا ہے۔ البتہ جب کسی تصفیہ طلب مسئلے کو حل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر کور ٹیم محتاط فیصلہ کرتی ہے، مگر یہ مکمل طور پر واضح نہیں کہ اس کا طریقہ کار کیا ہوتا ہے اور آخری فیصلہ کس کا ہوتا ہے۔ یہ ترامیم دو طرح کی ہو سکتی ہیں: ایک سافٹ فورک اور دوسری ہارڈ فورک۔ BIP 9 کے مطابق سافٹ فورک کی صورت میں واضح مائنرز کی اکثریت ہونی چاہیے تب وہ ترمیم کی جاتی ہے۔ ہارڈ فورک ہونے کی صورت میں پوری بٹ کوائن اکانومی کو اس تبدیلی کو اختیار کرنا ہوتا ہے جس میں بٹ کوائن

رکھنے والے، بٹ کوائن ایکسچینج اور سروس مہیا کرنے والے لازمی شامل ہوں۔ اس وقت سو سے زائد ترامیم سوفٹ فورک اور ہارڈ فورک کی صورت میں بٹ کوائن کوڈ کے اندر واقع ہوگئی ہیں۔ ان میں کئی ہارڈ فورک بھی شامل ہیں یعنی اتفاق رائے نہ ہونے کی صورت میں نئی کرپٹو کرنسیاں بنی ہیں۔

جس طریقے سے سینٹرل بینک شرحِ سود کو اوپر نیچے کردیتا ہے اور مانیٹری پالیسی پر اثرانداز ہوتا ہے، اسی طریقے سے بٹ کوائن کے اندر بھی بٹ کوائن اکانومی کو خاص لوگ کنٹرول کرتے ہیں۔ مثلاً بٹ کوائن کلائنٹ ورژن Bitcoin-Qt version 0.8.2 کے اندر بٹ کوائن کور ٹیم نے خود ہی فیصلہ کرکے ٹرانزیکشن کی فیس ۰٫۰۰۰۵BTC سے ۰٫۰۰۰۱BTC کم کردی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بٹ کوائن ہمیشہ بڑی چین کو سپورٹ کرتی ہے، مگر یہ کہنا سائنسی طور پر مکمل درست نہیں۔ مثلاً ۲۰ مارچ ۲۰۱۳ء کو BIP 50 کے تحت بٹ کوائن میں ایک ہارڈ فورک ہوا، اس کے تحت جو بٹ کوائن کی بڑی چین تھی اس کو اختیار کرنے کے بجائے چھوٹی چین کو اختیار کیا گیا اور اس کے لیے اس وقت کے دو بڑے مائننگ پولز BTC Guild اور Slush کا سہارا لیتے ہوئے چھوٹی چین کو اختیار کیا گیا۔ یہ فیصلہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ بٹ کوائن اکانومی میں چند اکائیوں نے اکثریت کے فیصلے کو رد کیا۔ لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ بٹ کوائن کے کمپیوٹر کوڈ کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا، اس کو کوئی کنٹرول نہیں کرتا، اور اس میں وقتاً فوقتاً کوئی ترمیم نہیں کرسکتا، یہ سائنسی طور پر درست نہیں۔

سافٹ ویئرز کی اپنی قدر ہوتی ہے، ان کا استعمال کیا جاتا ہے، ان سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان کی خرید وفروخت بھی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً ایڈوب سافٹ ویئر کو گرافک ڈیزائنگ میں استعمال کیا جاتا ہے اور، اور یکل سافٹ ویئر کے ذریعے سے ریکارڈ کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ جب ہم بٹ کوائن بلاک چین سافٹ ویئر کی بات کرتے ہیں تو اصل میں ہم ایک "بلاک چین" سافٹ ویئر کی بات کر رہے ہوتے ہیں، یعنی ایک ایسا سافٹ ویئر جس کے اندر ریکارڈ (یعنی بٹ کوائن) کا اندراج کیا گیا ہے۔ لہذا بلاک چین سافٹ ویئر کو دوسرے سافٹ ویئر جیسے ڈیٹابیس مینجنٹ سسٹم پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ مگر "بٹ کوائن کرپٹو کرنسی" بذاتِ خود کوئی سافٹ ویئر نہیں ہے، نہ اس کو سافٹ ویئر کی طرح استعمال کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے ذاتی انتفاع حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ دوسرے کمپیوٹر پروگرامز اور اپلی کیشنز کی طرح ہے۔ بٹ کوائن کرپٹو کرنسی محض چند نمبروں کا "بٹ کوائن

بلاک چین سافٹ ویئر'' میں اندراج ہے۔ لہذا ''بٹ کوائن کرپٹو کرنسی'' نہ ہی حسّی وجود رکھتی ہے اور نہ ہی ڈیجیٹل وجود، اس سے ذاتی انتفاع بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس کی اپنی ذاتی کچھ قدر نہیں اور یہ محض تصوراتی نمبروں کا ''بٹ کوائن بلاک چین سافٹ ویئر'' میں اندراج ہے۔ آپ اسی ''بٹ کوائن سافٹ ویئر'' کے کوڈ کو لے لیجیے اور اس کے اندر بٹ کوائن کے بجائے محض تصوراتی زمینوں کی ملکیت کا اندراج کر دیجیے تو کیا محض تصوراتی زمینوں کے بلاک چین سافٹ ویئر میں اندراج سے کوئی حقیقی طور پر زمین کا مالک بن جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں! بس یہی کچھ حال بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مائننگ کی، اس کو بطور انعام ۵۰ بٹ کوائن BTC تخلیق کر کے دیے گئے یعنی یہ فرض کر لیا گیا کہ جو مائننگ میں کامیاب ہو گا اس کے ان ۵۰ بٹ کوائن کا اندراج بٹ کوائن بلاک چین سافٹ ویئر میں اس کے ایڈریس کے ساتھ کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ مروجہ معاشی نظام میں حکومت اور سینٹرل بینک معاشی نظام کو کنٹرول اور ریگولیٹ کرتے ہیں اور یہ ملک کے عوام، پارلیمنٹ اور عدالتوں کے سامنے جوابدہ بھی ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کے اندر بٹ کوائن کور ڈیویلپر ٹیم، مائننگ پولز اور بڑے بڑے بٹ کوائن ایکسچینج بٹ کوائن کی اکانومی کو مجموعی طور پر کنٹرول کرتے ہیں، انھی کی اجارہ داری ہے اور وہ کسی کے آگے جوابدہ بھی نہیں۔

*****

مفتی نذیر احمد ہاشمی مدظلہ
ضبط و ترتیب: مولانا عابد علی

القواعد الفقهية

القاعدة العاشرة: الضررُ يُزال

ضرر کا ازالہ کیا جائے گا

تشریح

شریعت میں ضرر سے مراد قانونی ضرر ہے۔ جب کسی شخص کو کوئی حق حاصل ہوا اور اس کا یہ حق ضائع ہو رہا ہو تو اسے ضرر پہنچ رہا ہے۔ قرآنِ کریم میں وصیت کے بارے میں ایک شرط یہ عائد کی گئی ہے کہ وہ غیر مضار ہو یعنی اس سے نقصان نہ ہو۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں ایک تہائی جائداد سے زیادہ کی وصیت اور کسی وارث کے حق میں وصیت سے دیگر وارثوں کو ضرر پہنچتا ہے، اس لیے ایسی وصیت مضار ہونے کی وجہ سے قرآنِ کریم کی رو سے ناجائز ہے۔ ضرر ایک ظلم ہے۔ یہ جہاں کہیں بھی ہو اس کا ازالہ ضروری ہے لہذا ضرر کو دور کرنا عین منشاے شریعت ہے۔

شرائط

ضرر کا ازالہ اس وقت کیا جائے گا جبکہ اس ازالے سے اس ضرر کے مثل دوسرا ضرر پیدا نہ ہوتا ہو۔
ضررِ عام کے دفعیے کے لیے ضررِ خاص کو برداشت کیا جائے گا۔

تفریعات

ا۔اگر راہ گزر کی طرف اس طرح پرنالے کا رخ کیا گیا کہ اس کی وجہ سے گزرنے والوں کو نقصان ہوتا ہو تو اس پرنالے کو زبردستی ہٹا دیا جائے گا۔

۲۔کسی گھر کے درخت اس قدر بڑھ جائیں کہ اس کی شاخوں سے دوسرے گھر میں تکلیف ہونے لگے تو اس کی شاخیں کاٹ دی جائیں گی۔

۳۔باغیوں اور مجرموں کو اس لیے سزائیں دی جاتی ہیں کہ تاکہ وہ لوگوں کو ضرر پہنچانے سے باز رہ سکیں اور لوگوں پر سے اس ضرر کا ازالہ ہو سکے۔

۴۔اگر کسی کے گھر سے متّصل کسی نے لوہار کی دکان قائم کر دی یا چکی لگا لی تو لوہار کے ہتھوڑے کی دھمک سے یا چکی کی حرکت سے مکان کی دیواروں کو ضررِ شدید کا اندیشہ ہے، چنانچہ اس کام کو روک دیا جائے گا۔

۵۔جب مشتری بائع سے سامان خرید لے تو وہ مشتری کی ملکیت ہو جاتا ہے اور بائع اس سے بری ہو جاتا ہے، لیکن خریدی گئی چیز میں عیب نکل آیا تو بائع اسے واپس لینے کا پابند ہو گا کیونکہ اس میں مشتری کو ضرر کا اندیشہ ہے۔

* * * * *

فتاویٰ یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

سالگرہ منانے اوراس موقعے پر تحائف لینے کا حکم

سوال: عرض یہ ہے کہ سالگرہ کے تحائف قبول کرنا کیسا ہے؟ ہم نہیں مناتے، لیکن اگر کوئی ہمیں تحفہ دے، توکیااس کا لینادرست ہے؟ برائے مہربانی اس حوالے سے رہنمائی فرمادیں۔ جزاک اللہ خیرا

جواب: سالگرہ منانے کا شرعًا کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ یہ دورِ حاضر کی گھڑی ہوئی رسم ہے، اور اس موقعے پر تحفے تحائف دینے کی رسم بھی غیر اسلامی رسم ہے، مسلمانوں نے کفار کی دیکھا دیکھی ان کے طور طریقے اور رسومات کو اپنانا شروع کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ انھی میں سے ہوگا“۔ (مسندِ احمد)

تاہم ان رسومات میں بلا شبہہ کفار کے ساتھ مشابہت ہے، ان سے اجتناب ضروری ہے۔ لہذا مذکورہ صورت میں سالگرہ کی رسم کی مناسبت سے جو تحائف یا کیک وغیرہ پیش کیے جاتے ہیں، چاہے وہ سالگرہ کے دن ہوں یا بعد میں، انھیں قبول نہ کریں، بلکہ اچھے طریقے سے تحفہ قبول کرنے سے معذرت کرلیں۔ لیکن اگر معذرت کرنے کی صورت میں فتنے کا خوف ہے اور ہدیہ دینے والے کی کمائی حلال ہے تو ہدیہ قبول کرسکتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی سالگرہ کا کیک لاکر کھلائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

قال: قال رسول الله ﷺ(من تشبه بقوم): أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار. (فهو منهم): أي في الإثم والخير. قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر في التشبه ذكر في هذا الباب (مرقاة المفاتيح،٧/ ٢٧٨٢)

واللہ اعلم بالصواب

*****

مفتی اویس پاشا قرنی
ضبط و ترتیب: مولانا محمد اقبال

ترک نامہ

قسط نمبرا

زلزلہ زدہ بھائیوں کی امداد کے سلسلے میں سفرِ ترکیہ و شام

مسلمانوں کی تابناک تاریخ کا ذکر ترکیہ کے تذکرے کے بغیر نامکمل ہے۔ مسلمانوں کی کئی صدیوں پر مشتمل تاریخ میں، ریاستِ ترکیہ اسلامی عہدِ زرّیں کی ایک روشن مثال ہے۔ وطنِ عزیز پاکستان اور ترکیہ کے عوام کے درمیان تعلق کی ایک طویل تاریخ ہے۔ ۱۹۱۹ء میں پہلی جنگِ عظیم کے موقعے پر جب استعماری طاقتوں نے خلافت کو ٹکڑوں میں بانٹ کر اس کے حصے بخرے کیے تو مسلمانانِ برِّصغیر نے خلافت کی بحالی کے لیے انگریز کے خلاف ایک عظیم تحریک چلائی اور اس تحریک میں یہاں کی خواتین، بچوں اور بزرگوں نے بھی حصہ لیا۔ تحریکِ خلافت برِّصغیر کے عوام کی جہاں انگریز سے نفرت کی علامت ہے وہاں ترک قوم سے محبت کی دلیل بھی ہے۔ اسی تحریکِ خلافت کے اہم کرداروں میں سے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی بھی ہیں، ان کی والدہ بی اماں کے خلافت کے متعلق جذبات کا اندازہ حسبِ ذیل اشعار سے لگایا جاسکتا ہے:

بولیں اماں محمد علی کی — جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ تیرے ہے شوکت علی بھی — جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ہو تمھی میرے گھر کا اجالا — اسی واسطے تم کو ہے پالا

کام کوئی نہیں اس سے اعلیٰ جان بیٹا خلافت پہ دے دو

ترکی خلافت کے متعلق یہی جذبات یہاں تقریباً تمام ماؤں کے تھے۔ اور اب بھی پاک و ترک میں بسنے والے لوگوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ قائم ہے۔ اور یہ رشتہ درحقیقت دونوں ممالک کے عوام کے درمیان محبت اور اسلامی اخوت کی اعلیٰ مثال ہے۔ چونکہ خلافت کی تحریک میں دی گئی قربانیاں ترک قوم کو اب تک یاد ہیں، اس لیے جب ۲۰۰۵ء میں وطنِ عزیز پاکستان میں ہولناک زلزلہ آیا تھا اور اس نے راتوں رات بے شمار آبادیوں کو کھنڈرات میں بدل دیا تھا، تو مصیبت کی اس گھڑی میں جو ملک سب سے پہلے پاکستان کی مدد کو پہنچا وہ ترکیہ ہی تھا۔ اس موقعے پر ترک عوام نے دل کھول کر اپنے پاکستانی بھائیوں کی نہ صرف مدد کی بلکہ تحریکِ خلافت میں دی گئی قربانیوں کے عملی اعتراف کے ساتھ ان قربانیوں کا بدلہ بھی چکا دیا۔ مذکورہ زلزلے میں برادر ملک ترکیہ نے پاکستان کی امداد کے لیے ہر ممکن خدمات سرانجام دیں، اس نے متاثرہ علاقوں میں اسپتال قائم کیے، یہاں کے لوگوں کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ اسی طرح حال ہی میں جب پاکستان میں تباہ کن سیلاب آیا تو ترکیہ تعاون کرنے میں پیش پیش تھا۔ لہذا واضح ہوا کہ پاکستان اور برادر ملک ترکیہ کے عوام کے درمیان اخوّت کا لازوال رشتہ پایا جاتا ہے اور دونوں ممالک کے درمیان دیرینہ تعلقات کی ایک تاریخ ہے۔ ۶ فروری ۲۰۲۳ء کو ترکیہ کے جنوب اور شام کے شمال مغربی سرحدی علاقوں میں قیامت خیز زلزلہ آیا۔ اس تباہ کن زلزلے کی ریکٹر اسکیل پر شدت ۸ء۷ ریکارڈ کی گئی۔ یہ ترکیہ کی تاریخ کا بدترین زلزلہ تھا، اس قیامت خیز زلزلے میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن گئے اور لاکھوں کی تعداد میں زخمی اور اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔ اس تباہ کن زلزلے کی اطلاعات حسبِ توقع وطنِ عزیز پاکستان میں ایک اندوہناک خبر کے طور پر محسوس کی گئیں۔ مختلف میڈیا چینلز کے مطابق اس موقعے پر ترک سفیر سے گفتگو کے دوران وزیرِاعظم پاکستان نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کا کہا کہ پاکستانی قوم اپنے ترک بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ اس غمگین موقعے پر شانہ بشانہ ساتھ کھڑی ہے اور ہم برادر ملک ترکیہ اور شام کی ہر ممکن امداد کریں گے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مصیبت کی اس گھڑی میں ترک عوام کی ہر ممکن مدد پاکستان کا فرض ہونے کے ساتھ اس پر قرض بھی ہے۔ پاکستان آج کل جس تاریخی معاشی بحران کا سامنا کر رہا ہے، اس کے باوجود الحمدللہ

حکومت اور یہاں کی سماجی فلاحی تنظیمیں اپنی استطاعت سے بڑھ کر تعاون کے لیے آگے آئیں۔ کئی فلاحی تنظیمیں چند دنوں کے اندر متاثرہ علاقوں میں اپنے کارکنوں کے ساتھ پہنچیں۔ ان فلاحی تنظیموں میں فاتح فاؤنڈیشن نے بھی اپنی استطاعت کے مطابق حصہ ڈالا، ماضی میں بھی فاتح فاؤنڈیشن نے ترکی کے راستے سے شامی مہاجرین کی امداد میں حصہ لیا ہے۔ نیز ترکیہ کے ساتھ ہماری فاؤنڈیشن کے قریبی اور گہرے تعلقات عرصۂ دراز سے قائم ہیں۔ حالیہ زلزلے میں متاثرہ علاقوں اور اردگرد کے شہروں کا ہمارا ایک مہینے کا سفر رہا اور متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور مختلف لوگوں سے ملے۔ اس موقعے پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا یہ جو سلسلہ قائم کیا ہے، یہ اس لیے ہے کہ آزمایا جائے، ارشاد ربانی ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ المَوتَ وَالحَيٰوةَ لِيَبلُوَكُم أَيُّكُم أَحسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۲) ''جس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے''۔ یہاں مختلف آزمائشیں آتی ہیں، اگر کسی شخص یا قوم پر مصیبت آجائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ یہ اللہ کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے اور جو بچ گئے وہ اچھے ہیں۔ اس طرح کے عمومی حادثات کے بارے میں یہ سمجھنا کہ یہ گناہ گاروں پر ہی آتے ہیں، غلط تصور ہے۔ اس امدادی مہم کے دوران بہت سارے لوگوں کا سوال تھا کہ زلزلے تو گناہ گاروں پر آتے ہیں، جبکہ مذکورہ علاقوں میں تو پہلے ہی سے شامی مہاجرین آباد تھے، جو نہایت کس مپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے، ان پر ایک اور مصیبت کیوں آئی۔ تو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اور کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، ہمارا خیال، ہمارا تجزیہ اور سوچنے کا انداز ناقص ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بتمام وکمال ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے یہاں ہم بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ جو اللہ کے ہاں مقدر تھا وہی ہوا، اور یہ امت پر ایک آزمائش تھی، جو اللہ تعالیٰ کی منشا ہی سے ہے۔ اور آزمائش میں سرخرو بھی وہی ہوسکتے ہیں جن کے اندر صبر اور قوّتِ برداشت زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ ہم نے اس پورے سفر میں یہاں کے رہنے والوں میں سے کسی کو گلہ شکوہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

چونکہ ہماری فاؤنڈیشن کا ترکیہ دفتر استنبول کے ایک قدیم علاقے میں قسطنطنیہ کی دیوار کے ساتھ واقع

ہے، تو یہاں سے بذریعہ جہاز ہم متاثرہ علاقوں میں آتے جاتے رہے۔ متاثرہ علاقوں کے قریب قیصری کا ہوائی اڈہ زلزلے سے متاثر نہیں ہوا تھا، اس لیے ہم پہلے یہاں پہنچے اور یہاں سے پھر متاثرہ علاقوں کا دورہ شروع کیا۔ ترکیہ میں زلزلے سے متاثرہ مشہور شہروں؛ قہرمان مرعش، مالاتیہ، الازغ، دیار بکر، آدی امان، شان لی عرفہ، غازی انتب، کلس، عثمانیہ، عدنہ اور انطاکیہ شامل ہیں، یہ وہ شہر ہیں جہاں زلزلے سے مشکلات پیدا ہوئی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ جو شہر متاثر ہوا ہے اسے قہرمان مرعش کہتے ہیں، یہ شہر زلزلے کا مرکز ہے۔ اگر ہم نقشے پر دیکھیں تو یہ ترکیہ کا وہ علاقہ ہے جو شام کے ساتھ ملتا ہے، یہ علاقہ اور شام کا سرحدی علاقہ زلزلے کی زد میں آیا ہے۔ شام میں ادلب اور حلب کے اردگرد کے علاقے زلزلے سے متاثر ہوئے ہیں۔ ترکیہ کے سرحدی علاقے ریحانیہ سے ہم مَعْبر (وہاں سرحدی دروازے کو معبر کہتے ہیں) بابُ الھوا نامی دروازے سے شام میں داخل ہوئے، شام کے اندر بہت آگے تو نہیں جا سکے مگر ترکیہ کی سرحد کے قریب شام کے علاقے میں امدادی سرگرمیاں انجام دی گئیں۔ جس دروازے سے ہم شام میں داخل ہوئے اسے باب الھوا کہتے ہیں، اس کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک درہ ہے جہاں ہوا بہت تیزی سے گزرتی ہے، اس لیے اسے باب الھوا یعنی ہوا کا دروازہ قرار دیا گیا ہے۔ تاریخ میں اس راستے کو طریق الحجاج اور طریق الغزاۃ بھی کہا جاتا رہا ہے، کیونکہ ماضی میں ترکیہ اور آگے کے دیگر علاقوں کے حاجی حجازِ مقدس کی طرف سفر کرتے ہوئے یہاں سے گزرتے تھے، اسی طرح حجاز، شام اور دیگر علاقوں کے غازی یورپ کے اندر جا کر جہاد کرنے کے لیے بھی یہاں سے گزرتے تھے۔ باب الھوا کے علاوہ ترکیہ کے علاقے کلس میں شام کی طرف دو اور دروازے کھلتے ہیں جنھیں باب السلامۃ اور باب الرحمۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ میرا ان دو دروازوں سے بھی پہلی امدادی مہمات کے دوران شام کے اندر جانا ہوا ہے، مگر اس دفعہ چونکہ زلزلے سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کرنا تھا، تو ہم باب الھوا سے شام کے اندر داخل ہوئے اور یہاں الحمدللہ امدادی سامان مستحقین میں تقسیم کیا۔

جاری ہے

* * * * *

ماہ نامہ

مفاہیم

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

فقہ اکیڈمی | C-335، بلاک-1، گلستانِ جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ

fiqhacademy.com.pk info@fiqhacademy.com.pk FiqhAcademy

FiqhAcademy FiqhAcademyPK fiqhacademy +92 330 3474223